ماہنامہ **خالد** ربوہ

اکتوبر ۱۹۸۳ء

(ایڈیٹر) مرزا محمد الدین ناز

عظیم الشّان ساعتِ سعد

برِّاعظم آسٹریلیا میں تعمیر ہونے والی پہلی احمدیہ مسلم مسجد اور احمدیہ مسلم مشن ہاؤس کی تقریبِ سنگِ بنیاد پر ہماری رُوحیں خدا کے حضور سجدہ ریز، ہمارے دل مسرّتوں سے معمور اور ہماری زبانیں خدا کی تسبیح و تحمید اور ذکرِ الٰہی سے تر ہیں۔ بلاشبہ تاریخِ اسلام میں یہ ایسی عظیم الشان ساعتِ سعد ہے جس سے دنیا میں توحیدِ باری کے قیام اور رسالتِ محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار کی فلک بوس صداؤں کا ایک زرنگار باب کھلنے والا ہے۔

مجلس خدّام الاحمدیہ عالمگیر اس تقریب سعید کے موقعہ پر کاروانِ غلبۂ اسلام کے سپہ سالار سیّدنا طاہر ایدہ اللہ الودود کی خدمتِ اقدس میں دلی دُعاؤں کے ساتھ مبارکباد کا تحفہ پیش کرتی ہے۔

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا

دعوت ہر ہرزہ گو کچھ خدمتِ آساں نہیں ⁂ ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گزر میں دشتِ خار

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا ⁂ پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

گر کرے معجز نمائی ایک دم میں نرم ہو ⁂ وہ دلِ سنگیں جو ہووے مثلِ سنگِ کوہسار

اے مرے پیارے فدا تجھ پہ ہر ذرّہ مِرا ⁂ پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے ⁂ خاک میں ہوگا یہ سر گر تُو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد ⁂ کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر ⁂ پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک جوش ہے ⁂ ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا ⁂ پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

ملّتِ احمدؐ کی مالک نے جو ڈالی تھی بِنا ⁂ آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

خالد ربوہ

اخاء ۱۳۶۲ ہش — اکتوبر ۱۹۸۳ء

جلد ۳۰ شمارہ ۱۲

ایڈیٹر
مرزا محمد الدین ناز

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

نائب ایڈیٹر
منیر احمد جاوید

معاون ایڈیٹر
مبشر احمد ایاز

قیمت سالانہ:- ۱۸/- روپے
فی پرچہ:- ۲/- روپے

عناوین

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: سید عبدالحی مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ
رجسٹرڈ نمبر:- ۵۸۳۰ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

اداریہ

خوشا! اے ارضِ آسٹریلیا

المسجد بیت الہدیٰ ...... مبارک

بَیتُ اللہ ! وادیٔ مکّہ ملقب بامّ القریٰ کی سطح پر اُبھرنے والا وہ مقدس ترین مقام ہے جو آغازِ کائنات سے جلوہ گاہِ الوہیت اور معراجِ تخلیقِ عبودیت قرار پایا۔ صفحۂ ہستی پر یہ نقشِ جاوید مرورِ زمانہ کے انقلاب انگیز اثرات اور ہیجان خیز نظریات کے سامنے ایک اٹل حقیقت بن کر مزید نقوشِ جاودانہ کو جنم دیتا رہا۔

- اس کا متبرک وجود نشان ہے عظمت و جبروت الوہیت کا۔
- اس کا مستحکم قیام اشارہ ہے خدا تعالیٰ کی کبریائی و وحدانیت کا۔
- اس کا مرجع خلائق ہونا غمّاز ہے عالم کی مرکزیّت و اجتماعیت کا

اس بلد مبارک کا اُمّ القریٰ ہونا اس امر کا متقاضی تھا کہ اس بیت اللہ کے تتبع اور ظلّیت میں مختلف بلاد و امصار میں بیوت اللہ تعمیر ہوں۔ جو اس تجلّی گاہ کے لمعاتِ نور کے انتشار کا باعث ہوں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ خانہ کعبہ کے اس عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لئے باوجود غریب و بے کس اور مظلومیت کا شکار ہونے کے ہر برّاعظم، ہر ملک، ہر شہر اور ہر گوشۂ عالم کو منوّر کرنے کا عزم لئے جادۂ منزل پر رواں دواں ہے۔ اور اپنے نفوس، اموال اور جذبات کی طوعی قربانیوں سے اس میں رنگ بھر رہی ہے۔ اس مقصد کے حصول میں مادّی ذرائع بے حقیقت ہیں۔

- اس کی بنیادوں کو جذبات، آرزوں اور تمنّاؤں کے خمیر سے اُٹھایا جاتا ہے۔
- اس کو دیدۂ تر کے اشکوں اور چشم پُرنم کے آنسوؤں سے سیراب کیا جاتا ہے۔
- اس کے اندر سوز و درد کے شعلے اور التہابِ عشق کی قندیلیں روشن کی جاتی ہیں۔

- اس کی آرائش میں رنگ بھرنے کے لئے لہو کی بوند بوند نذرانہ دی جاتی ہے ۔
- اور اس کے ثبات کے لئے دلوں کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی وہ دُعائیں، آہیں اور دلدوز چیخیں ہیں جو عرشِ الٰہی سے اس کی زندہ جاوید حیثیت کی خوشخبری لے کر لوٹتی ہیں۔

اسی قسم کی ایک تعمیر ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء کو برّاعظم آسٹریلیا کے مشہور شہر سڈنی کے قریب ہو رہی ہے ۔
——— المسجد بیت الہدیٰ کی تعمیر جس کے میناروں سے برّاعظم آسٹریلیا کی تقدیر کا روشن مستقبل جھلک رہا ہے ۔

سرزمین آسٹریلیا جو سابقہ عرب کی طرح رُوحانی لحاظ سے ویرانوں، ریگزاروں اور اداسیوں کا علاقہ ہے ۔
——— آج یقیناً اپنے سینے میں تفاخر و تباھج کے جذبات لئے ایک ناقابلِ بیان فرحت سے جھوم رہا ہو گا کہ اس کی فضاؤں میں بھی نعرۂ تکبیر کی صدائیں گونجنے لگیں اور عشاقِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بھی الٰہی پریت کی جوت جگانے جا پہنچے ۔

اَے سرزمین آسٹریلیا! مسرّت سے جھوم! کہ تجھے جھومنے کا حق حاصل ہے کہ تجھے پہلی مرتبہ شمع الٰہی کے ایک یگانۂ روزگار پروانے نے اپنے ورودِ مسعود سے برکت دی ہے ۔ اور تیرے مشام کو رُوحانی طہارت کی خوشبو سے معطر کیا ہے ۔

اَے خوش نصیب برّاعظم! اپنی سعادت اور قسمت پر ناز کر! اور اس مبارک وجود سے اجتذاب فیض کرتے ہوئے اپنے (AUSTERE) یعنی خشونت اور کھردرے پن کو دُور کر کے "ایل" (خدا تعالیٰ)، کے چشمۂ روحانی کے لئے اپنے سوتے نرم کر دے تا تیرے انگ انگ سے آبِ بقا کے ایسے دھارے بہیں جو مُردہ رُوحوں میں حیاتِ نو کی لہریں اس طرح دَوڑا دیں جس طرح خون رگوں میں بہتا ہے ۔

لیکن اگر تُو نے وقت کی آواز کا ساتھ نہ دیا تو وہی خدا تعالیٰ کا قہر اور غضب اور خشونت تیرے حصّہ میں آئے گی جس کی طرف اشارہ خود تیرے نام کے معانی سے ملتا ہے ۔ اس لئے وقت کی پکار اور اپنے اندر ہم آہنگی پیدا کر ۔ بیت الہدیٰ کے میناروں کی ضیاء پاشی سے بیتِ قلب کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دے تا سارا مُلک اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی عملی تصویر بن جائے ۔ اللّٰھم آمین ۔

دُعا کی تحریک

صرف مسجد اور مشن ہاؤس کی کمی تھی

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ الودود نے اپنے دورۂ مشرق بعید پر روانہ ہونے سے قبل ۱۹ر اگست کو مسجد اقصیٰ ربوہ میں جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس میں حضور نے اپنے دورے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

"مَیں جس دعا کی تحریک کرنے لگا ہوں وہ اس سفر کے متعلق ہے جو مَیں چند روز تک اختیار کرنے والا ہوں اس سفر کے لئے خصوصیت سے دعا کریں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ براعظم آسٹریلیا میں سب سے پہلی احمدیہ مسلم مسجد کی بنیاد رکھی جانے والی ہے۔ یہ براعظم آج تک باقاعدہ احمدیہ مشن سے خالی تھا۔ اس سے قبل اور کوئی براعظم ایسا نہیں تھا جہاں جماعت احمدیہ کے ایک یا ایک سے زیادہ مشن قائم نہ ہو چکے ہوں۔ صرف یہی باقی رہ گیا تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سال ہم یہ کہہ سکیں گے کہ جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دنیا کے تمام براعظموں میں مساجد اور مشن ہاؤس تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

آسٹریلیا براعظم بھی ہے اور ملک بھی۔ دونوں چیزیں یہاں اکٹھی ہو گئی ہیں لیکن مَیں براعظم کے نقطۂ نگاہ سے بات کر رہا ہوں ورنہ ملک تو بے شمار ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتیں قائم ہو چکی ہیں اور جماعت یہاں بھی پہلے سے قائم ہے۔ صرف مسجد اور مشن ہاؤس کی کمی تھی جو اب انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہو جائے گی۔ یہ بہت ہی اہم ملک ہے کیونکہ مشرق اور مغرب کے درمیان یہ ایک قسم کا پل بنا ہوا ہے۔ مشرق میں ہوتے ہوئے بھی یہ ایک مغربی ملک ہے۔

یہاں کے لوگوں کا مزاج باقی مغربی قوموں کے مقابل پر زیادہ حوصلہ افزا ہے اور مذہبی ٹالرنس (Tolerance) ان میں بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں آپ کو کسی بھی نوعیت کے مذہبی فساد نظر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایک لمبے تجربہ کی بناء پر اختلاف رائے کا وسیع حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے جماعت احمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا موقع ہے۔

اس کے علاوہ فجی آئرلینڈ جسے زمین کا کنارہ کہا جاتا ہے وہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ جانے کا پروگرام ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جہاں سے (Date line) گزرتی ہے یعنی وہ فرضی جغرافیائی خط جس پر

آپ کھڑے ہو کر جتنی دفعہ چاہیں ماضی یا مستقبل میں چلے جائیں۔ ایک قدم پرلی طرف رکھیں تو کل کی تاریخ اور ایک قدم اِدھر رکھیں تو آج کی تاریخ آجائے گی۔ گویا یہ وہ ملک ہے جہاں ماضی اور مستقبل کے افق مل رہے ہیں۔ اگرچہ خط تو سمندروں پر سے ہر جگہ گزر رہا ہے لیکن ایک باقاعدہ آباد ملک فجی ہی ہے جہاں سے وہ خط گزرتا ہے۔ اسی لئے اسے خاص اہمیت حاصل ہے اور اس نقطہ نگاہ سے اسے زمین کا کنارہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ زمین تو گول ہے اس کا ویسے تو کوئی کنارہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں جہاں دن رات ملتے ہیں اور جہاں تاریخیں بدلتی ہیں۔ اس پہلو سے ایک کنارہ ضرور آجاتا ہے۔ پس اسی نقطہ نگاہ سے اسے ہمارے کلام میں یہ اہمیت حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام ہوا "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ تو ظاہری معنوں میں بھی یہ ایک کنارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو تبلیغ پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی اور اب میں بھی وہاں اس نیت سے جا رہا ہوں کہ جماعت کو منظم کروں اور وہ ایک نئی روح اور نئے ولولے کے ساتھ بہت تیزی سے اس ملک میں روحانی لحاظ سے غالب آجائے۔ لہٰذا بہت کثرت سے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے گذشتہ سفر میں تجربہ کیا تھا ہماری ساری طاقت اور ہر کام کی بناء دعا پر ہے۔ جتنی کثرت سے لوگ اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور گریہ وزاری محبت اور پیار کی اداؤں سے مانگیں گے اتنا ہی وہ عطا کرتا چلا جائے گا۔ اس کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ اس لئے احمدیوں کو دعاؤں میں لگ جانا چاہیئے۔ ہر احمدی جو دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں ضرور فضل ظاہر فرمائے گا۔ جتنی زیادہ دعائیں کریں گے اتنے ہی زیادہ وہ فضل فرمائے گا۔

اس کے علاوہ بھی بعض ملک ہیں جہاں اس سفر کے دوران کچھ عرصہ کے لئے قیام ہوگا۔ مثلاً ایک سنگاپور ہے وہاں انشاء اللہ تعالیٰ قیام کا خیال ہے اور پھر واپسی پر آخری قدم سیلون پر رکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ کراچی واپس آنا ہے پروگرام مختصر ہے۔ زیادہ لمبا نہیں۔ تقریباً سوا مہینہ کا پروگرام ہوگا لیکن مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ ایسی جماعتیں مثلاً فجی اور آسٹریلیا والے روز روز یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ خلیفۃ المسیح وہاں ان کے پاس پہنچے۔ اس لئے ان کا رجحان اس موقعہ پر ویسا ہی ہوتا ہے جیسے سونے کے انڈے دینے والی بطخ کے متعلق ایک شخص کا رجحان تھا۔ اس نے کہا یہ تو روز ایک انڈہ دیتی ہے۔ اب اتفاق سے قابو آئی ہوئی ہے اسے ذبح کر کے سارے انڈے اکٹھے ہی کیوں نہ نکال لوں تو ایسی جماعتیں جہاں بہت دیر سے کوئی پہنچتا ہے طبعاً اور فطرتاً ان میں یہ رجحان ہوتا ہے کہ خوب کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔ کام سے تو میں بالکل نہیں ڈرتا لیکن جب غیروں میں بکثرت لیکچرز ہوتے ہیں تو وہاں ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے کیونکہ میں اپنی ذات کے طور پر تو ان کے سامنے پیش نہیں ہو رہا ہوتا بلکہ جماعت احمدیہ کے نمائندہ کے طور پر پیش ہو رہا ہوں گا۔

پس اللہ تعالیٰ سے بہت دعا کرنی چاہیئے کہ وہ مجھے اس نمائندگی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج ہی مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بیرونی جماعتوں کی طرف سے بعض علمی لیکچرز رکھ دیئے گئے۔ ان کی تیاری کا تو وقت کوئی نہیں۔ پرسوں یا ترسوں انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے روانگی ہے اس لئے طبعی بات ہے کہ ذہن میں کچھ فکر تو پیدا ہوتی ہے لیکن میرا گذشتہ تجربہ یہ ہے کہ اگرچہ پہلے بھی یہی حال تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے توفیق عطا فرما دی تھی اور جب وہ وقت گذر گئے تو اتنے آسان اور ہلکے پھلکے نظر آئے جیسے کوئی بوجھ ہی نہ رہا۔ یہ بوجھ تو آپ سب نے میرے ساتھ مل کر اٹھانا ہے میں نے اکیلے نہیں اٹھانا کیونکہ میں اپنی ذات کا نمائندہ نہیں بلکہ جماعت احمدیہ کا نمائندہ ہوں۔

پس بہت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر پہلو سے اسے بابرکت بنائے اور اس کے ذریعہ اسلام کی عظیم الشان فتوحات کی بنیادیں رکھی جائیں۔ ایسے نئے دروازے کھلیں جن سے بڑی شان کے ساتھ نئی فتح کے علم بلند کرتی ہوئی جماعت احمدیہ نئے میدانوں میں نکل آئے۔ اور نئی نئی قومیں فتح ہوں اور نئے نئے دل مسخر کئے جائیں۔ اور اسی حال میں خدا تعالیٰ اس سفر کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ سفر ختم ہو رہا ہو اور اسلام کی عظیم الشان فتوحات کا آغاز ہو رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل ۲۰ ستمبر)

قابلِ تقلید

مجلس ایبٹ آباد سالہا سال سے بقایادار چلی آرہی تھی۔ ماہ جولائی ۱۹۸۲ء میں موجودہ قائد صاحب کے ذمّہ فرائض قیادت سپرد ہوئے۔ انہوں نے خصوصی کوشش کر کے صرف ایک ماہ کے اندر نہ صرف سالِ رواں کا بجٹ ۱۰۰٪ پورا کر دیا بلکہ گذشتہ ۲ سال کے بقایاجات بھی بیباق کر دیئے۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء

دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جملہ اراکین مجلس ایبٹ آباد کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مزید دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

(مہتمم مال مرکزیہ)

خدّام و اطفال کا سالانہ اجتماع
۲۱-۲۲-۲۳/ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو
ربوہ میں منعقد ہو رہا ہے

رسالہ دوبارہ مل سکتا ہے

اگر آپ کو کسی ماہ کا 'خالد' یا 'تشحیذ' نہیں ملا تو براہِ کرم اجتماع کے موقع پر حاصل کر لیں۔

(مینیجر ماہنامہ خالد۔ تشحیذ ربوہ)

اس سے قبل براعظم آسٹریلیا خالی پڑا تھا

پیارے آقا ایدہ اللہ الودود نے ۲ ستمبر ۱۹۸۳ء کو مسجد احمدیہ ناصر آباد سندھ میں جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس کے دوران حضور نے آسٹریلیا میں مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔

"ابھی چند دن تک انشاء اللہ ہم مشرق کے دورہ پر پاکستان سے روانہ ہوں گے اور اس دورہ میں براعظم آسٹریلیا میں سب سے پہلی احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھنے کا سب سے اہم فریضہ ادا کرنا ہے۔ یہ مسجد کی بنیاد بھی ہوگی اور مشن ہاؤس کی بنیاد بھی ہوگی۔ یعنی اس مسجد کے ساتھ ایک بہت ہی عمدہ مشن ہاؤس کی عمارت بھی تعمیر ہوگی جہاں مبلغ اپنے ہر قسم کے فرائض پورے کر سکے گا۔ اس لحاظ سے یہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک بہت ہی اہم مسجد ہے کہ ایک نئے براعظم میں ہمیں اس کی بنیاد رکھنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس سے قبل براعظم آسٹریلیا خالی پڑا تھا اور جماعت یہ تو کہہ سکتی تھی کہ دنیا کے ہر براعظم میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کا پیغام پہنچایا ہے۔ لیکن براعظم آسٹریلیا میں اگر یہ پیغام پہنچا تو اتفاقاً انفرادی کوشش سے پہنچا۔ جماعت کی طرف سے کوئی باقاعدہ مشن نہیں بنایا گیا اور کوئی مسجد نہیں بنائی گئی تھی۔

مسجد کے لئے جو زمین لی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت با موقعہ اور کافی بڑا رقبہ ہے۔ آسٹریلیا کا ایک مشہور شہر سڈنی ہے۔ سڈنی سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے کے اندر یہ جگہ واقع ہے۔ اور بڑے بڑے شہروں میں پچاس میل کا فاصلہ کوئی چیز نہیں ہوا کرتا۔ ستائیس ایکڑ سے کچھ زائد رقبہ ہے جس میں انشاء اللہ مسجد بھی بنوائی جائے گی اور مشن ہاؤس بھی اور آئندہ جماعت کی دلچسپیوں کے لئے ہر قسم کے مواقع وہاں مہیا ہو سکیں گے۔ ستائیس ایکڑ میں تو ماشاء اللہ ہمارا جلسہ سالانہ ہو سکتا ہے اس لئے ہم بڑی امید لے کر اتنا بڑا رقبہ لے رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ جلد اس کو بھر بھی دے اور چھوٹا بھی کر دے اور یوں ہماری توقعات ناکام ہو جائیں اور اللہ کے فضل اس سے بہت آگے نکل جائیں۔ ان دعاؤں کے ساتھ انشاء اللہ اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔"

(الفضل ۸ ستمبر)

چل رہی ہے نسیم رحمت کی
جو دعا کیجئے قبول ہے آج

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء کو نماز جمعہ مسجد احمدیہ سنگاپور میں پڑھائی۔ حضور نے خطبہ اُردو زبان میں ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ مکرم میاں عبد الحی صاحب مبلغ انڈونیشیا نے انڈونیشین زبان میں کیا۔ حضور کے اس خطبہ کا خلاصہ درج ذیل ہے ـــــــــــ (ادارہ)

خطبہ جمعہ میں حضور نے اپنے مشرق کے حالیہ دورہ جس میں سنگاپور، جزائر فجی، آسٹریلیا اور سری لنکا شامل ہیں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ دورہ کئی جہتوں سے بڑا اہم ہے۔ ایک اس جہت سے کہ ان علاقوں میں خلیفۃ المسیح کا یہ پہلا دورہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ان علاقوں میں اشاعت اسلام کو تیز تر کرنے کے لئے اور اس کی صحیح منصوبہ بندی کے لئے موقعہ پر آنا ضروری تھا۔ اس دورے کے روحانی فوائد سے انڈونیشیا بھی مستفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر مشرق کے لئے اسلام کی ترقیات کے دروازے کھولنے کا ارادہ کر چکی ہے۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے اور ہم نے اپنے اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ اس لئے میں شدید فکر لے کر اس دورے پر نکلا ہوں اور یہ دعا کرتے ہوئے سفر اختیار کیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے میری زبان اور

کی آواز بنادے۔ ہر احمدی کے دل میں خدمتِ اسلام کی ایک آگ لگادے۔ حضور نے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے والوں پر افضال اور انعام کا ذکر کرنے کے بعد احباب جماعت سے فرمایا اگر آپ مشرق کو خدا تعالیٰ کے لئے جیتنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ پہلے آپ خود خدا تعالیٰ کے ہو جائیں۔ وہ لوگ جو خدا کے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو غیر معمولی طاقتیں عطا کرتا ہے اور ان کو دنیا میں سرفراز فرماتا ہے۔ اس لئے میں جماعت کو یقین دلاتا ہوں کہ

"جے توں میرا ہو رہیں سب جگ
تیرا ہو"

یہ خدا کا کلام ہے۔ اگر اس کو آزما کر دیکھیں گے تو یقیناً اس کو سچا ہوتا دیکھیں گے۔

(الفضل ۲۳ ستمبر صـ ۲)

- "میرے نزدیک یہ دن آسٹریلیا کی روحانی اور مذہبی دریافت کا پہلا دن ہے گویا آج ہم نے آپ کو اعلیٰ مذہبی اور روحانی اقدار سکھانے کی غرض سے از سرِ نو دریافت کیا ہے۔"
- "یہ ایک دل جیتنے کا منصوبہ ہے جس کا جبر و اکراہ سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں۔"
- "یہ ایک روحانی فتح کا پروگرام ہے جس کا جغرافیائی اور سیاسی غلبہ سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں۔"
- "آج جبکہ ہم برّاعظم آسٹریلیا میں پہلی احمدیہ مسلم مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی غرض سے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دن جماعتِ احمدیہ کی تاریخ میں ایک نئے سنگِ میل کا اضافہ کر رہا ہے۔"
- "ان بنیادوں پر ایک ایسی عمارت بلند ہوگی جو زمین پر ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات میں ایک آسمانی عمارت ہوگی اور جو عرش کے خدا تک رسائی پائے گی۔"
- "آسمانی نوشتوں میں جس جماعت کے لئے غلبۂ اسلام مقدّر تھا وہ یہی جماعت ہے اور وہ ساعتِ سعد آچکی ہے۔ جو اسلام کے غلبۂ نو کی ساعت ہے۔ اس مہم کا آغاز ہو چکا ہے جس نے عالمی انقلاب برپا کرنا تھا۔"

آسٹریلیا میں تعمیر ہونے والی پہلی احمدیہ مسلم مسجد کی تقریب سنگِ بنیاد سے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرّابع ایدہ اللہ تعالےٰ کے رُوح پرور خطاب کا مکمّل متن

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران آیات ۹۷، ۹۸)

ترجمہ:۔ سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے (فائدہ کے) لئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکّہ میں ہے وہ تمام جہانوں کے لئے برکت والا (مقام) اور (موجب) ہدایت ہے۔ اس میں کئی روشن نشانات ہیں (وہ) ابراہیم کی قیام گاہ ہے۔ اور جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے۔ اور اللہ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں (یعنی) جو (بھی) اس تک جانے کی توفیق پائے وہ اس گھر کا حج کرے) اور جو انکار کرے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔

آج جبکہ ہم برّاعظم آسٹریلیا میں پہلی احمدیہ مُسلم مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کی غرض سے اکٹھے ہوئے ہیں یہ دن جماعتِ احمدیہ کی تاریخ میں ایک نئے سنگِ میل کا اضافہ کر رہا ہے۔ آج ہمارے دل اپنے ربّ کی حمد سے لبریز ہیں اور اُس کے احسان پر اُس کی حمد و ثنا کے ترانے گا رہے ہیں۔ بلاشُبہ یہ دن آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک ایسی جماعت جو

اس دَور میں اللہ کی توحید کو تمام دُنیا پر غالب کرنے کا عزم لے کر اُٹھی ہے اس عظیم برِاعظم میں پہلی مرتبہ خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کے لئے ایک گھر تعمیر کرنے کی توفیق پا رہی ہے۔ یہ پہلی اینٹ ہے جو خالصتہً للہ اُس کی عبادت کی خاطر تعمیر ہونے والے اس گھر کی بنیاد میں رکھی جا رہی ہے۔ لیکن یہ اینٹ آخری اینٹ نہیں رہے گی اور نہ خدائے واحد کا یہ گھر آخری گھر ہوگا۔ بلکہ یہ تو خانہ ہائے خدا کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کا ایک نہایت عاجزانہ آغاز ہے۔

بظاہر یہ ایک عام سی بنیاد ہے جو مَیں رکھ رہا ہوں اور یہ مٹی میں دَب کر نظروں سے غائب ہو جائے گی۔ لیکن ان بنیادوں پر ایک ایسی عمارت بلند ہو گی جو زمین پر ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات میں ایک آسمانی عمارت ہوگی۔ اور جو عرش کے خدا تک رسائی پائے گی۔ دن میں پانچ وقت اس کے میناروں سے اللہ کی وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کے اعلان بلند ہوں گے اِس مسجد کے مینارے اس مادی دَور میں بسنے والے مردوں اور عورتوں کو ان کا بھولا ہُوا یہ سبق یاد دلائیں گے کہ اصل اور حقیقی رفعتیں مادی ترقی سے نہیں بلکہ رُوحانی ترقی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اَب جبکہ ہم یہاں ایک عمارت کی تعمیر کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں مادی چیزوں میں شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو فراموش نہیں کرنا چاہئیے۔ جونہی تعمیر مکمّل ہوتی ہے اُسی لمحہ سے شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں جو وقت اور زمانہ کے اس عمل کو روک سکے اور کوئی نہیں جو اس عمل کے منتہائے مقصود کو نیچا دکھا سکے قرآن مجید زمانہ کے اس عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

(الرحمٰن آیات : ۲۷، ۲۸)

ترجمہ :۔ اس (یعنی زمین) پر جو کوئی بھی ہے آخر ہلاک ہونے والا ہے اور صرف وہ بچتا ہے جس کی طرف تیرے جلال اور عزّت والے خُدا کی توجہ ہو۔

لیکن فنا کے اس ظاہری عمل سے کہیں بڑھ کر پُرہیبت اور پُرجلال وہ باطنی عمل ہے جو ایک زمانہ اور ایک دَور میں کارفرما نظریۂ حیات اور اس کی رُوح کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔

ازمنۂ گذشتہ کی عظیم تہذیبوں کا اگر کچھ سراغ ملتا ہے تو مادی عمارتوں کے بچے کھُچے کھنڈرات سے ہی ملتا ہے۔ ان کے آدرش اور ان کے نظریات بے نشان ہوئے بغیر نہیں رہے۔ فراعنۂ مصر کے تعمیر کردہ اہرام کی مثال ہمارے

سامنے ہے۔ ان میں سے بعض اہرام ریت کے نیچے دفن ہو گئے۔ کچھ نے کھنڈرات کی شکل اختیار کر لی۔ صرف چند ایک ہی ہیں جو آج بھی سربلند اور ایستادہ نظر آتے ہیں۔ لیکن کیا انہیں تعمیر کروانے والوں کے فلسفۂ حیات اور مطمح نظر کا درجہ رکھنے والے نظریات کے بھی کہیں کوئی آثار ملتے ہیں؟ کوئی ایک ذی رُوح بھی آج ایسا ہے جو اُن کے نظریات پر عمل پیرا ہو؟۔ ایک بھی نہیں! وہ سب فنا کی آغوش میں چلے گئے۔ کوئی خفیف ترین نشان بھی تو ان کا کہیں نظر نہیں آتا۔

لیکن مصر کی ان عالی شان اور پُر شکوہ عمارتوں کے بالکل برعکس اِس دُنیا میں ایک نہایت معمولی اور بظاہر بے ڈھنگے ساخت کے پتھروں کی ایک ایسی عمارت بھی بنائی گئی تھی جس کی کہانی دُنیوی قوموں کی تعمیر کردہ عمارتوں کی کہانی سے بالکل مختلف اور جُدا ہے۔ میری مُراد چھ ہزار برس سے زائد عرصہ قبل تعمیر کئے جانے والے اُس قدیم گھر سے ہے۔ جو اس دُنیا میں پہلی مرتبہ خالصۃً خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم اس عظیم اور منفرد واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

یعنی وہ پہلا گھر جو زمین پر تمام بنی نوعِ انسان کے لئے خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کی خاطر بنایا گیا وہ مکّہ میں ہے وہ گھر مبارک ہے اور تمام انسانوں کی ہدایت کا موجب ہے اور اس کے ساتھ کُھلے کُھلے نشان وابستہ ہیں اور وہ ابراہیمؑ کا مقام بھی ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو گا وہ یقیناً امن میں آجائے گا۔

اس گھر کا آغاز عظیم دنیوی قوموں کی یادگار تعمیرات کے آغاز سے مختلف تھا۔ کوئی شاہی خزانے اس کی تعمیر میں بے دریغ خرچ نہیں ہوئے۔ نہ کسی آرکیٹکٹ نے اپنے ذہنِ رسا کے زرخیز تخیّل میں اسے ڈیزائن کیا اور نہ کسی ماہرِ تعمیر نے اِس کے عمارتی کام کی نگرانی کی۔ کسی غلام قوم سے اس کی تعمیر میں بیگار نہیں لی گئی۔ خدا کے اس پہلے گھر کا آغاز کمال سادگی اور عاجزی کا آئینہ دار تھا۔ تواریخِ عالم میں اس عظیم واقعہ کا اشارۃً بھی تو ذکر نہیں ملتا۔ صرف قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے اس عمارت کے آغاز کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔

یہ گھر بھی شکست و ریخت کی دست بُرد سے باہر نہ رہا۔ یہ بھی بالآخر منہدم ہُوا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر نے

اُسے معدوم نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ایک عظیم الشان نبی یعنی ابراہیمؑ کے سپرد خدا تعالیٰ نے یہ کام کیا کہ وہ خدا کے اس گھر کو انہی قدیمی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کریں۔ قرآن مجید اس خدائی تقدیر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ آیت ۱۲۸)

ترجمہ:- اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور (اس کے ساتھ) اسمٰعیل بھی۔ (اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے) اے ہمارے ربّ ہماری طرف سے (اس خدمت کو) قبول فرما۔ تو ہی (ہے جو) بہت سُننے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔

اس طرح خدا تعالیٰ کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے کھنڈرات میں تبدیل نہ ہونے دیا جائے۔ اسے قدیمی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ خدا نے اس کی تعمیر کے لئے جن معماروں اور مزدوروں کا انتخاب کیا۔ ان کا تعمیر کے فن سے دُور کا بھی تعلق یا واسطہ نہ تھا۔ یہ معمار خدا کا برگزیدہ نبی ابراہیمؑ تھا اور مزدور اس کا اپنا نوعمر بیٹا اسمٰعیل تھا جو غالباً عمر کے لحاظ سے ابھی اتنا پُختہ نہ ہُوا تھا کہ آجکل کے لیبر قوانین کے مطابق اُسے مزدوری کی اجازت دی جا سکتی۔ یہ ایک ایسی عمارت کی تعمیر نو تھی جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ دُنیا کی تمام عمارتوں سے زیادہ رفیع الشان ہوگی۔ اور اسے آباد کرنے اور آباد رکھنے والے عرش کے خدا سے باتیں کریں گے۔

سو گویا خانۂ خدا کی یہ عمارت ایک مجسم صلائے عام تھی کہ اے علومِ مرتبت کے خواہاں انسانو! اور اے رُوحانی رفعتوں کے متلاشیو! اگر تم بھی اس بلندی تک پہنچنا چاہتے ہو جہاں عمارتیں اور ان عمارتوں میں بسنے والے آسمان سے نہیں بلکہ آسمان کے خدا سے باتیں کرتے ہیں تو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اِدھر آؤ اور اِن رُوحانی زمینوں کو طے کرو جن کے کواڑ یہ عمارت تم پر کھول رہی ہے۔ جب ہم اس پہلو سے ان واقعات پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالتے ہیں تو یہ عُقدہ حل ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے لئے ایک نبی اور اُس کے بیٹے کو کیوں منتخب کیا گیا۔

خانۂ خدا کی یہ مادّی اور جسمانی تعمیر اپنی ذات میں فی الاصل ایک عظیم رُوحانی تعمیر کو آشکار کرنے والے ایک ظاہری نشان کی حیثیت رکھتی ہے بمقصود بالذات کوئی مادّی تعمیر نہ تھی بلکہ اصل مقصود وہ رُوحانی عمارت تھی جو اس کے باطن میں تعمیر ہونا تھی۔ یہ ایک ایسی عمارت تھی۔ جس کے لئے دنیوی فن تعمیر کے ماہرین کی نہیں بلکہ رُوحانی فن تعمیر کے ماہرین کی ضرورت تھی۔ پس خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ابراہیمؑ کی صورت میں رُوحانی فن تعمیر کے ایک چوٹی

کے ماہر کا انتخاب فرمایا اور اس کی مدد کے لئے اس کا تربیت یافتہ بیٹا یعنی اسمٰعیل اُسے عطا کیا۔ ایک ایسی عمارت کی تعمیر کے لئے اس سے بہتر معماروں کا انتخاب ممکن نہ تھا۔ یہ انتخاب تعمیر کے اصل مقصد کے عین مطابق تھا۔

وہ سادہ گھر جسے ابراہیمؑ اور اس کے بیٹے اسمٰعیل نے خدائی حکم کے تحت از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔ آج بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ اپنی جگہ ایستادہ ہے اور اپنی اور اپنے اصل مقصد کی عظمت کو آشکار کر رہا ہے جبکہ اس کے بالمقابل فراعنہ مصر کے تعمیر کردہ بچے کُھچے اہرام سراسر ویران اور متروک حالت میں عبرت کی ایک تصویر نظر آتے ہیں۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں تعمیر ہونے والا خدا کا وہی سادہ سا گھر آج خدائے واحد کے لاکھوں اور کروڑوں پرستاروں کا کعبۂ مقصود بنا ہُوا ہے اور ہر سمت سے وہ اس کی طرف دَوڑے چلے آتے ہیں۔

ان دو متقابل تعمیرات (یعنی خانہ کعبہ اور اہرام مصر) کی مختلف اور متضاد حیثیتوں سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ وہ کیا چیز ہے جس نے خدائے واحد کے اس سادہ سے گھر کو زندگی سے معمُور کر رکھا ہے جبکہ فراعنہ مصر کی عظیم یادگاری عمارتوں یعنی اہرام مصر پر ویرانی چھائی ہوئی ہے اور وہ حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے ہیں؟ ایسا کیوں ہے کہ ایک عمارت کا پیش کردہ فلسفۂ حیات آج بھی زندہ ہے اور اپنے زندہ بخش ہونے کا ثبوت دے رہا ہے جبکہ دوسری عمارتیں جس فلسفۂ حیات کی آئینہ دار تھیں اُس کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے؟ یہ کیسے ممکن ہُوا کہ اوّل الذکر عمارت شکست و ریخت اور انحطاط و زوال کے اصول کو شکست دینے میں کامیاب رہی۔ جبکہ موخر الذکر عمارتیں اور ان کے پیش کردہ فلسفے معدوم ہوئے بغیر نہیں رہے۔

جبکہ فی الوقت عمارتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس تسلسل میں مَیں ایک اور زبردست عمارت کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ وہ عمارت تھی جو اس غرض سے بلند کی گئی تھی کہ خدا کے وجود کو چیلنج کرے اور اللہ کو اور اللہ والوں کو نیچا دکھائے۔ قرآن کریم اس عمارت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (القصص آیت ۳۹)

یعنی فرعون نے اپنے سرداروں سے کہا کہ مجھے تو اپنے سوا تمہارا اور کوئی معبود نظر نہیں آتا۔ (پھر یہ موسیٰ نہ جانے کس خدا کی باتیں کر رہا ہے) پس اے ہامان! میرے لئے مٹی کو پختہ کرنے کے لئے آگ بھڑکاؤ اور ایک بلند و بالا عمارت تیار کرو تاکہ مَیں ذرا موسیٰ کے خدا کو دیکھوں تو سہی۔ لیکن امرِ واقعہ

یہی ہے کہ میں اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

قرآن کریم کی یہ آیت نہ صرف اس واقعہ کا ذکر کر رہی ہے جو آج سے قریباً ۳۳۰۰ سال پہلے گذرا۔ بلکہ ایک ایسے مادّہ پرست انسان کی نفسیاتی حالت اور ذہنی کیفیت کا نقشہ کھینچ رہی ہے۔ جس کے دماغ میں تکبّر کے زیرِ اثر یہ سودا سمایا ہوا ہو کہ وہ انسانی حدود وقیود سے آزاد ہو چکا ہے اور اس کا علم، غیب وشہود یعنی ہر حاضر وغائب پر حاوی ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر یعنی خود ہمارے زمانہ میں بھی اسی نفسیاتی حالت اور ذہنی کیفیت کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جبکہ ایک عظیم مادّی طاقت کے خلا نوردنے اپنی معمولی سی خلائی چھلانگ کے نشہ میں بے قابو ہو کر یہ تعلّی کی کہ میں تو خلا میں ہر طرف دیکھ آیا ہوں مجھے کسی خدا کا کوئی نشان کہیں نظر نہیں آیا۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو آج کے زمانہ کے راکٹ بھی گزرے ہوئے زمانہ کی سر بفلک عمارتوں کی طرح انسان کو اپنی جھوٹی عظمت اور بے حقیقت سرفرازی کے زُعم میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے انسان کا یہ تفاخر بھی اسی طرح عارضی اور لاشیئ ہے جس طرح گزری ہوئی قوموں کا تفاخر تھا۔ پس قرآن مجید اُس عمارت کا ذکر کر کے دراصل غرور میں مبتلا اُسی مادہ پرستانہ ذہنیت کو آشکار کر رہا ہے۔ جو ماضی میں ہمیشہ ہی مذہب سے نبرد آزما رہی ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ نبرد آزما رہے گی۔ یہی وہ مادہ پرستانہ ذہنیت ہے جو اپنی مادّی آنکھ سے مذہب کی رُوحانی اقدار کو جانچنے اور پرکھنے پر اصرار کرتی ہے۔ لیکن تاریخ مذاہب سے ہمیں یہ غیر فانی سبق ملتا ہے کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اور کل بھی ان مادّی طاقتوں کے مقدر میں شکست اور نامرادی لکھی جائے گی۔

کوئی مادّی فلسفہ وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ غریب، بے یار و مددگار اکیلا موسیٰ مصر کے پاجبروت حاکم یعنی فرعون کو جو بجز اپنے کسی خدا کا قائل نہ تھا شکست دینے اور نیچا دکھانے میں کیسے کامیاب ہوا؟۔ سوچنے کی بات ہے کہ موسیٰ ایسے بے کس انسان جو غریب اور بے حیثیت ماں باپ کے گھر پیدا ہوا تھا کب یہ گمان کر سکتا تھا کہ ایک دن وہ فرعون ایسے طاقتور بادشاہ کو ہار ماننے اور بے بس ہونے پر مجبور کر دے گا؟ آج فرعونِ مصر منفتاح اور ہامان کی بنائی ہوئی عمارت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا جو اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو کر ذرا موسیٰ کے خدا کی خبر لے آئیں۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ منفتاح سے پندرہ پشت قبل کے فراعنہ مصر کی بنائی ہوئی بعض عمارتیں اہرام کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ لیکن اگر نشان نہیں ملتا تو اس عمارت کا جو آسمان کے خدا سے پُوچھ گچھ کرنے کے لئے بڑے گھمنڈ اور تکبّر سے بنائی گئی تھی۔ وہ ایسی پیوندِ خاک ہوئی جیسے کبھی بنائی ہی نہ گئی ہو۔ اگر اس کے وجود کا کچھ پتہ ملتا بھی ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ معدوم ہو چکی ہے۔

لیکن قطع نظر اِس سے کہ وہ عمارت کب اور کہاں بنی اور کتنی بلندی تک پہنچی اور کب مسمار ہوئی۔ ایک بات قطعی اور یقینی ہے اور وہ یہ کہ خدا کے ایک غریب اور عاجز اور بے کس بندہ کے مقابل پر جب ایک صاحبِ جبروت اور دُنیوی عظمتوں کا حامل ایک عظیم بادشاہ آیا اور اس سے ٹکر لینا چاہی تو وہ ذلّت آمیز شکست سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہا۔ اُس کی اپنی تہذیب مٹ گئی اُس کا تمدّن قِصّۂ پارینہ بن گیا۔ اس کا تکبّر خاک میں مل گیا۔ اس کے دعوئے خدائی کا ایسا عبرت ناک انجام ہُوا کہ آج رُوئے زمین پر ایک متنفّس بھی ایسا نہیں جو اُس کو خدا تسلیم کرنا تو درکنار اس کی طرف منسوب ہونا بھی اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے۔ لیکن خدا کا بندہ موسیٰ آج بھی زندہ ہے۔ وہ خاک نشین ایسی رفعتیں پاگیا جس تک فرعون کی اونچی سے اونچی تصوراتی جست اور چھلانگ بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ آج موسیٰؑ کے دعوے کو دُنیا کی تین عظیم ترین مذہبی قومیں تسلیم کرتی ہیں۔ اُس کے بلند مرتبہ کا اقرار کرتی ہیں۔ اور ادب و احترام سے اس کا نام لیتی ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت میں کمی آنے کی بجائے مزید وسعت اور مزید رفعت پیدا ہوتی چلی جارہی ہے۔

ان حالات کی طرف متوجہ کرکے قرآن کریم ہمارا ذہن اس ازلی ابدی سچائی کی طرف مبذول کرواتا ہے کہ مادی اقدار اور ترقیات مذہبی اقدار اور ترقیات کے مقابل پر محض بے حقیقت اور لاشئی ہیں کیونکہ ان کا پیغام مُردہ ہے۔ جبکہ مذہبی اقدار کے اندر ایک زندہ رُوح کارفرما ہوتی ہے۔

خدائے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر ہونے والے پہلے گھر کی طرف عود کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس معمولی اور ظاہری لحاظ سے بے حقیقت عمارت پر بھی اگرچہ امتدادِ زمانہ نے اپنے سب حربے استعمال کئے اور فنا کا ہاتھ اگرچہ اس پر بھی اسی طرح مصروفِ عمل رہا جس طرح دُنیا کی دوسری عالیشان عمارتوں پر جو محض مادی اغراض کے لئے بنائی گئی تھیں اور اگرچہ اسے بھی پرانی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ تاہم خدا کے اس گھر کی معمولی سی عمارت میں اور تمام دُنیوی عمارتوں میں ایک فرق بڑا بیّن اور واضح ہے اور وہ یہ کہ دُنیوی عمارتوں میں سے ایک بھی تو ایسی نہیں جو اپنے مقام اور مقاصد کے اعتبار سے زندہ ہو۔ اہرامِ مصر تو ہیں مگر بے جان لاشئی کی طرح۔ ان کے جسم سے عصرِ فرعونی کی رُوح پرواز کرچکی ہے۔ یہ ایسی حنوط شُدہ لاشوں کی طرح ہیں جن کے بدن رُوح سے خالی ہوں۔ ان عمارتوں کی حیثیت ایسے غیر آباد گھونسلوں کی سی ہے جن میں بسیرا کرنے والے پرندے ہمیشہ کے لئے ان ہی سے پرواز کر گئے ہوں۔ فراعنہ مصر کے وہ مقاصد جو اُن عمارتوں کے ساتھ وابستہ تھے ہزارہا برس پہلے مرچکے ہیں۔ آج کون ہے جو فراعنہ مصر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا پسند کرتا ہے اور کون ہے جو ان کی ناموس کے لئے غیرت رکھتا ہو یا ان کی خاطر

کٹ مرنے کو تیار ہو؟

آپ ذرا اس کے مقابل پر خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے والے ابراہیم کو دیکھو اُس کے مقدس ہاتھوں کی ظاہری تعمیر آج بھی اسی طرح محفوظ ہے، یہی نہیں بلکہ اُس کی حدود نئی وسعتوں سے اور اُس کی عمارت نئی سربلندیوں سے ہمکنار ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہ آج بھی زندہ ہے اور اپنی زندگی کا پہلے سے کہیں بڑھ کر ثبوت دے رہی ہے۔ یہی حال ان مقاصد کا بھی ہے جو اس کی تعمیر کے ساتھ وابستہ کئے گئے تھے۔ وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر شان کے ساتھ زندہ اور سربلند ہیں۔ آج موسیٰ کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو ابراہیم کا بھی پیروکار ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح مسیح کے ماننے والے بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ابراہیم کے پیروکار ہیں۔ لیکن دوسروں سے کہیں بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اپنے آپ کو ابراہیم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ابراہیم کا پیروکار شمار ہونے میں ایک گونہ فخر محسوس کرتے اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج دن میں پانچ دفعہ بلند ہونے والی اذان پر کروڑوں لوگ (جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے) کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے ہیں اس کے میناروں سے دی جانے والی اذان جو کبھی صرف قرب وجوار میں بسنے والوں تک ہی پہنچتی تھی ایّامِ حج میں اتنی بلند ہوجاتی ہے کہ دُنیا کے کونہ کونہ اور بستی بستی میں سُنائی دیتی ہے اور چاروں طرف سے کرۂ ارض کو گھیر لیتی ہے اور دُنیا کے کونہ کونہ سے کروڑہا بندگانِ خدا اس آواز کا جواب دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، لَكَ الْحَمْدُ وَالنِّعْمَةُ لَبَّيْكَ۔

اے ہمارے اللہ ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں سب تعریف تیرے ہی لئے ہے اور ہر نعمت تجھ سے ہے۔ ہم تیرے حضور حاضر ہیں۔

لیکن اس کے بالمقابل فرعون کی وہ آواز ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی جو ایک دن بڑے تکبّر سے یہ کہہ رہی تھی کہ :-

"اے ہامان! مٹی کو پختہ کرنے کے لئے آگ جلاؤ اور ایک بلند و بالا عمارت تیار کرو تاکہ مَیں بھی ذرا دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کن بلندیوں میں بستا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ مَیں موسیٰ کو جھوٹوں میں شمار کرتا ہوں۔"

پس آج یہ کہنا کہ جس گھر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے ہم اِس وقت جمع ہوئے ہیں یہ اپنی

رفعتوں میں اونچی سے اونچی اور بلند سے بلند انسانی تعمیر سے بھی بلند تر ہے اور دنیوی اغراض کے لئے انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا کوئی بلند سے بلند ٹاور بھی خدائے واحد کے اس گھر کے قدموں کو نہیں چھو سکتا۔ بلکہ ہمالہ کی چوٹیاں بھی اس کے مقابل پر کوتاہ قامت ہیں تو یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ یہ تو مذہب کی اصطلاحیں ہیں جو مادّی نہیں بلکہ رُوحانی معنی رکھتی ہیں۔ لیکن یہ اصطلاحیں محض فرضی اصطلاحیں اور خوش فہمی کے قصّے نہیں بلکہ باقی رہنے والی ٹھوس حقیقتوں اور تاریخی شواہد پر مبنی ہیں۔

ایک بات میں نے اس خطاب کے آغاز میں ایسی کہی تھی جو آسٹریلین کانوں کو بہت عجیب لگی ہوگی۔ وہ بات مَیں نے یہ کہی تھی کہ آج کا دن صرف جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم اور منفرد تاریخی دن ہے۔ شاید کوئی سُننے والا یہ سوچے کہ یہ محض ایک فضول تعلّی ہے۔ نہ تو آسٹریلیا میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی مسجد ہے، نہ ہی باشندگانِ آسٹریلیا کے نزدیک مساجد تعمیر کرنے کی کوئی اہمیّت ہے خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اہلِ آسٹریلیا نے نہ پہلے کبھی ان معمولی واقعات کا نوٹس لیا ہے۔ نہ مستقبل قریب میں آئندہ کبھی لیں گے پھر اس مسجد کو بطور خاص وہ کونسا امتیاز حاصل ہے جس کے سنگِ بنیاد کا دن آسٹریلیا کی تاریخ میں ایک عظیم سنگِ میل شمار کیا جائے اور ایک اہم تاریخی دن کے طور پر یاد رکھا جائے۔

آپ کا یہ حق ہے اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ اس دعوے کی وضاحت کروں لیکن پہلی بات جو مَیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، وہ آپ کے تعجب کو کم کرنے والی نہیں بلکہ اس میں مزید اضافہ کرنے والی ہوگی۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ جماعت احمدیہ جو آج اس مسجد کی تعمیر کا آغاز کر رہی ہے، ایک ایسی جماعت ہے جسے مسلمانوں کے اکثر دوسرے فرقے مسلمان تسلیم نہیں کرتے حتّٰی کہ پاکستان میں بھی جہاں اس جماعت کا عالمی ہیڈ کوارٹر ہے اس جماعت کو ۱۹۷۴ء سے مسلمان تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس علم کے بعد تو اس مسجد کی تعمیر اہلِ آسٹریلیا کو اَور بھی زیادہ معمولی اور بے حقیقت دکھائی دے سکتی ہے۔ جس طرح کسی بے نام مفلس کی جھونپڑی کی تعمیر افراد کی دُنیا میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہوتا اسی طرح ایک ایسی جماعت کی مسجد کی تعمیر بھی قوموں کی نظر میں کوئی اہمیّت نہیں پاتی جسے خود اپنے ہم مذہبوں نے اپنے میں سے خارج کر دیا ہو۔ جسے اس بنیادی حق سے بھی محروم کیا جا رہا ہو کہ وہ اپنے مذہب کا نام خود رکھ سکے۔

یہ بات کتنی ہی عجیب کیوں نہ ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ جس مذہب کی عظمت اور جلال کے لئے وہ تمام دُنیا میں جان، مال، وقت اور عزّت کی قربانیاں پیش کر رہی ہو خود اسی مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت کی نظر میں وہ متروک و مردود ہو۔ بایں ہمہ اس جماعت کا سربراہ آسٹریلیا کی سرزمین میں اپنی پہلی غریبانہ مسجد کی تعمیر کے دن یہ دعویٰ بھی کر رہا ہو کہ آج کا

دن آسٹریلیا کی تاریخ میں بھی ایک عظیم تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آخر کیوں اور کیسے؟ یہ معمہ سلجھانے اور آپ کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ مَیں مختصر الفاظ میں پہلے جماعت احمدیہ کا تعارف کروا دُوں اور اس اَمر سے آگاہ کر دُوں کہ اس کے قیام کی غرض و غایت کیا ہے۔

جماعتِ احمدیہ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے تمام فرقہ ہائے اسلام میں وہ واحد جماعت ہے جس کا بانی اِس زمانہ میں خدا کی طرف سے مبعوث اور مامور ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں وہی مسیح اور وہی مہدی ہوں جن کے بارہ میں بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو یہ خوشخبری دی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہو کر مسلمانوں کی حالت زار کا علاج کریں گے اور بگڑی ہوئی حالت کو سدھاریں گے۔ اور از سرِ نو اسلام کو ایک نئی قوت اور نئی شان کے ساتھ زندہ کریں گے اور تمام ادیانِ عالم پر اسلام کے آخری فیصلہ کُن غلبہ کے لئے ایک عالمی روحانی جہاد کی مہم کا آغاز کریں گے۔

جماعتِ احمدیہ کے مقدس بانی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ آپ نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک تمثیلی پیشگوئی ہے اور یہ کہ مہدی اور مسیح دو الگ وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ آپ نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ مسیح ابن مریم حقیقی معنوں میں اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ یہ لفظ ان کے حق میں محض اللہ کے پیار کے اظہار کے لئے بولا گیا۔ وہ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ لیکن مرتبے میں بہت بلند، کیونکہ خدا کے ایک خاص برگزیدہ رسول تھے۔ رسول کی حیثیت میں اللہ نے اپنی تائید کا یہ نشان ان کو دکھایا کہ صلیب کے چنگل سے نجات بخشی اور صلیب پر مرنے نہیں دیا بلکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں صلیب سے اتارے گئے۔ اور بہت جلد شفایاب ہو کر بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں فلسطین سے مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن بحیثیت انسان وہ موت سے بالا نہ تھے اور بالآخر اپنے مشن کی تکمیل کے بعد دیگر انبیائے مقدسہ کی طرح وہ بھی طبعی طور پر وفات پا کر اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

جماعتِ احمدیہ کے مقدّس بانی نے دعویٰ کیا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی خوشخبری محض تمثیل ہے یعنی کسی آنے والے وجود کو تمثیلی طور پر مسیح کا نام دیا جانا مقصود تھا۔ جیسے اس سے پہلے یوحنا بپتسمہ دینے والے کو بھی ایلیاہ کا نام دیا گیا۔ پس آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ مَیں ہی وہ تمثیلی مسیح اور مَیں ہی وہ مہدی ہوں جس نے آخری زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے لئے ظاہر ہونا تھا۔

آپ کے اس دعویٰ کو مسلمانوں کی اکثریت نے ردّ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ماننے والوں کو بعض اسلامی ممالک میں دوسری مسلمان اکثریت کی طرف سے "ناٹ مسلم" قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ اللہ کی نظر میں

سچا اور حقیقی مسلمان کون ہے اور محض نام کا مسلمان کون۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں میں سے آج صرف ہماری جماعت ہی ہے جو خدائی جماعت ہونے کی دعویدار ہے۔ یہ ہر قسم کی مخالفتوں اور اس کے خلاف روا رکھے جانے والے تشدد کے باوجود تمام عالم میں تبلیغِ اسلام کا جال بچھائے ہوئے ہے۔

اس کے مقابل پر دیگر تمام مسلمان کہلانے والے فرقے غلبہ اسلام کی عالمی مہم کے لئے مستقبل کے کسی ایسے خوش نصیب دن کی طرف دیکھ رہے ہیں جب دو ہزار برس کا معمّر مسیح آسمان کے کسی گوشہ سے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے نازل ہوگا اور بعد نزول وہ اور امام مہدی اپنی متفقہ کوششوں سے اسلام کو سب دُنیا پر غالب کرنے کی مہم کا آغاز کریں گے اور مسلمانوں کو تمام دُنیا کی سلطنتوں اور خزانوں کی چابیاں چاندی کی طشتری میں سجا کر پیش کر دیں گے۔ اس بارہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دُور کے سہانے ڈھول ہیں یا اُن کی حیثیت سنہری خوابوں سے زیادہ نہیں ہے۔

جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے یہ بات تو بہر حال مُسلّم ہے کہ آج دُنیا کے پردہ پر صرف ایک ہی جماعت ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ آسمانی نوشتوں میں جس جماعت کے لئے غلبۂ اسلام مقدر تھا۔ وہ یہی جماعت ہے اور وہ ساعتِ سعد آچکی ہے جو اسلام کے غلبۂ نو کی ساعت ہے۔ اُس مہم کا آغاز ہو چکا ہے جس نے عالمی انقلاب برپا کرنا تھا۔

اگر یہ جماعت اپنے اس دعویٰ میں سچی ہے۔ اگر حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی نے اس غریب اور بے نوا جماعت کو اُس آخری انقلابِ عظیم کے لئے چُن لیا ہے جس نے بالآخر دُنیا کی تقدیر بدل دینی ہے۔ اور مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرتوں کا قلع قمع کر کے انسان کو ایک دفعہ پھر اخوّت اور محبت اور ایثار اور انکسار کے درس دینے ہیں تو یہ جماعت جس نئے برّاعظم یا ملک یا قوم میں بھی پہلی مرتبہ اپنے قدم جمائے گی اور رُوحانی انقلاب کی عظیم مہم کا آغاز کرے گی بلا شُبہ وہ دن اُس برّاعظم یا ملک یا قوم کی تاریخ میں ایک عظیم تاریخی دن ہوگا۔ اور ایک ایسا عجیب سنگ میل ہوگا جو ہمعصر انسان کی نظر سے اوجھل ہونے کے باوجود مستقبل کے انسان کی آنکھ کو بہت بڑا اور نمایاں اور روشن ہو کر دکھائی دے گا۔ اور امتداد زمانہ اس کی عظمت کو کم کرنے کی بجائے اُس کی عظمت وشان کو بڑھاتا چلا جائے گا۔

مادّی اور مذہبی دُنیا کی تاریخ میں یہی تو ایک حیرت انگیز ما بہ الامتیاز ہے کہ دُنیاوی قوموں کی عظمت کو

گذرتا ہوا وقت دھندلاتا اور مدھم کرتا چلا جاتا ہے۔ بڑھتے ہوئے وقت کے فاصلے اُن کی حیثیت کو چھوٹا اور خفیف سے خفیف تر دکھانے لگتے ہیں۔ لیکن مذہبی قوموں کی عظمت کا حال اس کے برعکس ہے۔ وہ واقعہ جو بظاہر اتنا چھوٹا اور اتنا معمولی ہوتا ہے کہ ہمعصر مؤرّخ کی آنکھ اس کو دیکھ بھی نہیں سکتی آنے والی نسلوں کو وہ بڑا ہو کر دکھائی دینے لگتا ہے اور گذرتا ہوا وقت اُسے چھوٹا دکھانے کی بجائے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہانتک کہ اُس کی عظمت اپنے زمانہ کے ہر دوسرے واقعہ کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی روشنی ہر دوسری روشنی کو ماند کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ صرف یہی ایک روشنی اپنی چمک دکھلا رہی ہوتی ہے۔ اور ہر دوسری حقیقت مدھم اور بے حقیقت ہو کر بجھتی چلی جاتی ہے۔

دیکھو جب مسیحیت کا آغاز ہوا تو نصف کرۂ ارض کو رومی سلطنت کی عظمت اور جلال نے ڈھانپ رکھا تھا اور واقعہ صلیب اس کے مقابل پر ایسا مدہم اور بے نُور اور بے حقیقت تھا کہ اس واقعہ کے دوران تو درکنار ۳۴ سال بعد تک بھی کسی رومی تاریخ یا تحریر یا دستاویز میں اس کا اشارۃً بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن آج جب ہم مڑ کر دیکھیں تو واقعہ صلیب کی روشنی اُفق تا اُفق تمام سلطنت روما پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں روئے ارض پر رُونما ہونے والا سب سے زیادہ اہم اور جلیل القدر اور روشن واقعہ آغاز مسیحیت ہی دکھائی دیتا ہے۔ گویا وقت کا بوڑھا مصوّر دو ہزار سال سے پیہم اس عمل میں مصروف ہے کہ عصر مسیح کے ہر دوسرے نقش کو مدھم کرتا اور مٹاتا چلا جائے اور آغاز مسیحیت کو ہر لمحہ پہلے سے بڑھ کر اُجاگر کرتے ہوئے اُس میں نئے رنگ بھرتا رہے۔ پس اگر جماعتِ احمدیہ وہی جماعت ہے جو اُمّتِ محمدیہ میں پیدا ہونے والے مسیح ثانی نے قائم کرنی تھی تو آج آسٹریلیا کے اس عظیم برّ اعظم میں احمدیہ مُسلم مشن کا آغاز بلاشبہ آسٹریلیا کی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ میرے اس دعویٰ کو باور کرنے کی راہ میں ایک بہت بڑا "اگر" حائل ہے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس غریبانہ اور عاجزانہ آغاز کا انجام کیا ہے۔ لیکن مجھے اتنا ضرور کہنے دیجئے کہ اہلِ بصیرت اور اولوالالباب کسی صداقت کو پہچاننے کے لئے مستقبل کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ انہیں اس ننھے سے بیج میں ہی وہ آثار دکھائی دیتے ہیں جو ایک عظیم درخت کا خاکہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ شفق صبح کی پیش رو علامتوں ہی سے بھانپ لیتے ہیں کہ کتنے بڑے اور روشن دن کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

آپ اہلِ آسٹریلیا جو اس وقت میرے مخاطب ہیں شاید اپنی تاریخ کے حوالے سے میری بات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس لئے آیئے اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ آسٹریلیا کی سابقہ تاریخ کے پس منظر میں آج کے دن

کی کیا حیثیت ہے۔

میرے نزدیک یہ دن آسٹریلیا کی رُوحانی اور مذہبی دریافت کا پہلا دن ہے گویا آج ہم نے آپ کو اعلیٰ مذہبی اور رُوحانی اقدار سکھانے کی غرض سے از سرِ نو دریافت کیا ہے۔ پس اس دن کو اُس دن سے ایک گونا مناسبت ہے جس دن کیپٹن جیمز کُک[1] نے آسٹریلیا کو از سرِ نو دریافت کیا تھا۔ گو اس سے پہلے ولندیزی اور پُرتگالی ملاح اُسے دریافت کر چکے تھے لیکن کیپٹن جیمز کُک وہ شخص ہے جس نے انگلستان کی نو آبادی کے طور پر اسے از سرِ نو دریافت کیا۔ اُسی طرح آج جماعت احمدیہ آپ کو اسلام کے لئے از سرِ نو دریافت کر رہی ہے اور دَم نہیں لے گی جب تک اس پُورے برّاعظم کو محبت اور پیار اور عقل و دانش اور مضبوط عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ جیت نہ لے۔

- یہ ایک رُوحانی فتح کا پروگرام ہے جس کا جغرافیائی اور سیاسی غلبہ سے کوئی دُور کا بھی تعلّق نہیں۔
- یہ ایک دل جیتنے کا منصوبہ ہے جس کا جبر و اکراہ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں۔
- یہ ایک عقل اور دلیل کی جنگ ہے جس کا تیر و تفنگ اور توپوں اور راکٹوں سے کوئی بعید کا بھی علاقہ نہیں۔
- یہ امن کا پیغام ہے جو دلوں کی راجدانی سے تعلق رکھتا ہے۔
- یہ ایک نئی تہذیب اور نئے تمدّن کے نفاذ کا سوال ہے جو اس زمانہ کے تمام مسائل کا حل اور اس مادّی دَور کی ہر بے چینی کا علاج پیش کرتا ہے۔
- یہ انسان کو از سرِ نو انسانیت کی اعلیٰ اقدار سکھانے اور اُسے حیوانی سطح سے ایک مرتبہ پھر انسانی سطح تک بلند کرنے کی ایک مہم ہے جو سخت جانکاہی اور جاں سوزی اور صبر اور استقلال کا تقاضا کرتی ہے۔
- یہ انسان کو انسانیت سکھانے کے بعد اُسے اپنے ربّ اور خالق سے ملانے کا ایک عظیم پروگرام ہے جو صرف اُس دُنیا میں ہی وصلِ خداوندی کے وعدوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ

---

[1] WORLD MARK ENCYCLOPEDIA OF THE NATIONS VOL: 4 . PAGE 13

اس دُنیا میں ہی وصلِ الٰہی کی ایک قوی امید دلاتا ہے اور اپنی تائید میں قطعی شواہد پیش کرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ اس راستہ پر چل کر پہلے بھی ہزارہا بندگان خدا باخدا اور خدا نما انسان بن گئے۔

خالق کے لئے مخلوق کے دل جیتنے کی خاطر کسی نئے برّاعظم یا مُلک یا خطّے کی دریافت جماعت احمدیہ کی تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں اور وہ اُن مسائل سے پوری طرح باخبر ہے جو نئے علاقے دریافت کرنے والوں کو درپیش ہوتے ہیں۔ جب انگلستان نے برّاعظم آسٹریلیا کو آباد کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اُس کی آبادی کی تاریخ کتنی محنتوں اور مشقتوں اور دُکھوں اور لرزہ براندام کرنے والے مظالم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ جماعت احمدیہ کی روحانی نو آبادی کی تاریخ بھی اسی قسم کے واقعات سے معمور ہے لیکن اس ظاہری مشابہت کے باوجود دونوں میں اہم اور بنیادی فرق ہے اور دونوں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوئے بھی مشابہ نہیں رہتے۔

جب ۱۸۳۱ء[1] میں انگلستان کے شمالی علاقوں میں ظالمانہ زرعی قوانین کے خلاف فاقہ کش کسانوں نے آواز احتجاج بلند کی تو اس جُرم کی سزا میں ہزارہا بوڑھوں اور نوجوانوں کو ملک بدر کر کے آسٹریلیا بھجوا دیا گیا۔ اُن دنوں باٹنی بے BOTANY BAY کا نام عوام الناس کی زبان میں آسٹریلیا کا ہی متبادل نام تھا چنانچہ باٹنی بے کی طرف بھجوائے جانے والے مظلوموں پر جو کچھ گذری اور اُن کی یاد میں جو پچھلوں پر بیتی اس کے دردناک ذکر پر مشتمل متعدد واقعات اور گیت انگریزی اور سکاٹش لٹریچر میں ملتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کا اکلوتا نوعمر بیٹا بھی محض شغل کے طور پر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو ظالمانہ قوانین اور زمینداروں کے بہیمانہ سلوک کے خلاف پُرامن احتجاج کر رہے تھے۔ اس موقع پر جو ہزارہا احتجاجی قید کئے گئے ان میں وہ نوجوان لڑکا بھی تھا۔ اُن قیدیوں کو حکومتِ برطانیہ نے کچھ عرصہ تک نہایت اذیت ناک حالات میں مقید رکھ کر بالآخر بھیڑ بکریوں کی طرح اُن جہازوں میں ٹھونس دیا جو انہیں باٹنی بے کی طرف لے جانے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ اُن کے اعزہ و اقرباء کو صرف اتنا علم ہو سکا کہ وہ لوگ باٹنی بے چلے گئے۔ وہاں اُن پر کیا گزری یا کتنے ان میں سے

---

[1] RAIPON LAND REGULATION

WORLD MARK ENCYCLOPEDIA OF THE NATIONS V: 4 PAGE - 13

راستے میں ہی ہلاک ہو گئے اس کی اُن کو کچھ خبر نہ ہو سکی۔ اُن دنوں باٹنی بے کی طرف جانے والا قیدیوں کا راستہ ایک یک طرفہ راستہ تھا۔ اُن کو لے جانے والی ہوائیں صرف انگلستان سے باٹنی بے کی طرف چلتی تھیں اُلٹ کر کبھی واپس نہیں آئیں۔ اُس لڑکے کا تو کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس پر کیا حالات گذرے۔ ہاں اُس ماں کا ذکر آج تک محفوظ ہے جو بچے کی جدائی کے غم میں دماغی توازن کھو بیٹھی۔ ہر روز بلا ناغہ اُس کا یہی کام تھا کہ جنوب مشرق کی طرف مُنہ کر کے بیٹھ جاتی کہ میرا بیٹا اس طرف گیا ہے اور اسی طرف سے واپس آئے گا۔ وہ ہر روز اس کے استقبال کی تیاری کرتی اور حسب توفیق اُس کی خاطر مدارات کا سامان مہیا رکھتی۔ لیکن کوئی اُس طرف سے نہ آیا اور انتظار کے دن لمبے ہو گئے۔ وہ عورت اسی انتظار میں بوڑھی ہو گئی اور بالآخر اُس کی ٹانگوں پر فالج کا حملہ ہُوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی۔ اس حالت میں بھی اُس کا دستور یہی رہا کہ اپنے عزیزوں سے کہہ کر موسم کے مطابق کبھی صحن میں اور کبھی برآمدہ میں اپنی کرسی اس طرح رکھواتی کہ مُنہ باٹنی بے کی جانب رہے۔ اور تمام دن اس سمت سے کسی آنے والے کا انتظار کیا کرتی۔ لوگ اُسے پاگل کہتے تھے۔ وہ لوگوں کو پاگل سمجھتی تھی۔ اور کہتی تھی کہ جب بھی میرا بیٹا لوٹے گا وہ یہ دیکھ کر کتنا خوش ہو گا کہ میری ماں مجھے بھولی نہیں اور آج تک میرے انتظار میں ہے۔

احمدیت کی رُوحانی نو آبادیات کی تاریخ میں بھی اس سے ملتے جُلتے واقعات نظر آتے ہیں۔ مگر بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ جبری قربانی کے واقعات نہیں بلکہ طوعی قربانی کے واقعات ہیں۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے پہل جب مولانا رحمت علی صاحب کو انڈونیشیا تبلیغ کی غرض سے بھجوایا گیا۔ تو اس میں کوئی جبر کا پہلو نہیں تھا۔ بلکہ محض خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر مولانا نے خود اپنی زندگی اُس وقت کے امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے حضور پیش کی تھی۔ جماعت احمدیہ کی غربت کا ان دنوں یہ حال تھا کہ مبلغ بھجوانے کے لئے تو پیسے جمع کر لئے جاتے مگر واپس بلانے کا خرچ مہیا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ مولانا کو بھی جب بھجوایا گیا تو سال پر سال گذرتے گئے لیکن جماعت کو یہ توفیق نہ مل سکی کہ انہیں اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے واپس بلائے۔

اُن کے بچے باپ کی محبت سے محروم یتیموں کی طرح پل کر بڑے ہونے لگے۔ ایک دن اُن کے سب سے چھوٹے بیٹے نے جو اب سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اپنی ماں سے پوچھا کہ امّاں سکول میں سب بچے اپنے ابّا کی باتیں کرتے ہیں اور جن کے ابّا باہر ہیں وہ بھی آخر واپس آ ہی جاتے ہیں اور اچھی اچھی چیزیں اپنے بچّوں کے لئے لاتے ہیں۔ پھر یہ میرے ابّا کہاں چلے گئے کہ واپس آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ماں یہ سُن کر آبدیدہ ہو گئیں۔ اور جس سمت میں اُس نے سمجھا کہ انڈونیشیا واقع ہے اس سمت میں اُنگلی اُٹھا کر یہ کہا کہ بیٹا تمہارے ابّا اس طرف خدا اور اس

کے رسولؐ کا پیغام پہنچانے گئے ہیں اور اُسی وقت واپس آئیں گے جب خدا کو منظور ہوگا۔ اس عورت کے اس جواب میں درد تو تھا لیکن شکوہ نہیں تھا ـــــ احساس بے اختیاری تو تھا لیکن احتجاج نہیں تھا کیونکہ وہ خود بھی قربانی کے جذبہ سے سرشار تھی۔ مولوی صاحب کو انڈونیشیا گئے ہوئے دس سال گزر چکے تھے جب آپ کو پہلی مرتبہ انڈونیشیا سے کچھ عرصہ کے لئے بلوایا گیا۔ لیکن پھر جلد ہی انڈونیشیا بھجوا دیا گیا۔ انڈونیشیا میں اپنے اہل وعیال سے الگ رہ کر تبلیغ میں جو وقت انہوں نے صرف کیا اُس کا عرصہ ۲۶ سال بنتا ہے۔ بالآخر جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ اَب ان کو مستقلاً واپس بُلا لیا جائے۔ تب اُن کی بیوی جو اَب بوڑھی ہو چکی تھی اپنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑے درد سے یہ عرض کیا کہ دیکھیں جب میں جوان تھی تو اللہ کی خاطر صبر کیا اور اپنے خاوند کی جدائی پر اُف تک نہ کی۔ اپنے بچوں کو کسمپرسی کی حالت میں پالا پوسا اور جوان کیا۔ اَب جبکہ مَیں بوڑھی اور بچے جوان ہو چکے ہیں۔ اَب ان کو واپس بلانے سے کیا فائدہ اَب تو میری یہ تمنّا پُوری کر دیجئے کہ میرا خاوند مجھ سے دُور تبلیغِ اسلام کی مہم ہی میں دیارِ غیر میں مرجائے یا مارا جائے اور مَیں فخر سے یہ کہہ سکوں کہ مَیں نے اپنی تمام شادی شُدہ زندگی دین اسلام کی خاطر قربان کر دی۔

ان دونوں مثالوں کے انطباق میں یہ ایک عجیب توارد ہے کہ اگر شمالی پنجاب میں کھڑے ہو کر کوئی انڈونیشیا کی عمومی سمت کی طرف رُخ کرے تو اسی سمت میں آگے باٹنی بے (BOTANY BAY) بھی واقع ہے۔ ان دونوں واقعات میں مذکور خواتین کا رُخ باٹنی بے ہی کی جانب تھا لیکن اس ظاہری مماثلت کے باوجود ان دونوں واقعات میں بُعد المشرقین ہے۔ ایک باٹنی بے جبر اور بے اختیاری کی ایک دردناک داستان کی مظہر ہے اور ایک باٹنی بے عظیم مقصد کے لئے باشعور اور بااختیار طوعی قربانی کی ایک دل گداز مگر ایمان افروز داستان۔

اَب مَیں ایک اور اہم اَمر کی طرف آپ کی توجہ مرکوز کرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تمام نوآبادیات کے ساتھ نوآبادیات میں بسنے والے قدیم باشندوں کے خلاف شدید مظالم کی داستانیں بھی وابستہ ہُوا کرتی ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا کی جغرافیائی تسخیر کے ساتھ بھی انتہائی ظُلم کی ایسی ہی داستانیں وابستہ ہیں۔ آسٹریلیا میں آباد ہونے والی نوآباد قوموں نے پرانی قوموں سے یہاں تک بہیمانہ سلوک کیا کہ ان کی شکاری ٹولیاں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر جنگلوں کی طرف پرانے باشندوں کے شکار کے لئے نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ اور جنگلی جانوروں کی طرح ان کو گولیوں کا نشانہ بنا کر یہ مقابلے ہوتے تھے کہ کس شکاری نے کتنے زیادہ پرانے باشندوں کا شکار کیا ہے۔ یہ ظلم کسی لڑاکا قوم کے خلاف رَوا نہیں رکھا گیا بلکہ مؤرخین ہمیں بتاتے ہیں کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندے تو جنگجو اور خونخوار نہیں تھے بلکہ

نہایت امن پسند صلح کل لوگ تھے۔

رُوحانی تسخیر کے ساتھ بھی اسی قسم کے مظالم کی داستانیں وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس بنیادی فرق کے ساتھ کہ سچی مذہبی قومیں دوسروں کا شکار نہیں کرتیں۔ بلکہ خود ان کا شکار بنائی جاتی ہیں اور پرانے باشندے شکاری بن کر مذہبی قوموں کا شکار کرتے ہیں۔ دیکھو! عیسائیت نے جب سلطنت روما کو مذہبی تسخیر کے لئے دریافت کیا تو یہ نو آباد کار عیسائی ہی تو تھے جنہیں اہلِ روم کے ہاتھوں وحشی درندوں سے پھڑوایا گیا اور شیروں اور بھیڑیوں کے سامنے پھینکا گیا۔ احمدیت کی نو آبادیاتی تاریخ میں بھی غریب اور بے کس احمدیوں کے خلاف ایسے ہی دردناک مظالم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں جو مُلک مُلک دُنیا بھر میں پھیلے پڑے ہیں مثلاً آج سے تقریباً ۴۵ سال پہلے کا یہ واقعہ ہے کہ سنگاپور میں ہمارے ایک مبلغ غلام حسین صاحب ایاز کو تبلیغ کے جُرم میں مشتعل ہجوم نے مار مار کر نیم جان کر دیا اور زخموں سے چُور بدن کو رات کے وقت ایک سنسان سڑک پر پھینک دیا۔ اُن کو اچانک ہوش اس طرح آیا کہ آوارہ کُتے غرّاتے ہوئے اُن کے زخموں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔

پس اَے اہل آسٹریلیا! اگر ہم وہی ہیں جو اس عزم اور اس صبر اور اس استقلال اور اس شانِ فقیرانہ کے ساتھ نئی رُوحانی بستیاں آباد کیا کرتے ہیں اور دوسروں کے خون سے نہیں بلکہ خود اپنے ہی خون سے بے رنگ زمینوں کو رنگ بخشتے ہیں اور بے آب و گیاہ صحراؤں کو چمن زار بنا دیتے ہیں، اگر ہم وہی ہیں جو بالآخر دلوں پر فتح پاتے ہیں اور رُوحوں کی تسخیر کرتے ہوئے خیالات اور نظریات کی دُنیا میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں، تو یاد رکھنا کہ آج کا دن جبکہ ہم اپنی پہلی مسجد اور پہلے مشن ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں برّاعظم آسٹریلیا کی تاریخ کا عظیم ترین دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جس کی آب و تاب گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔ اور وہ دن جب کیپٹن جیمز کُک نے پہلی مرتبہ آسٹریلیا کی سرزمین پر قدم رکھا تھا اس نئے دن کی روشنی کے سامنے پھیکا اور ماند پڑ جائے گا۔ وہ زمانہ بہت دُور نہیں جب آسٹریلیا کے باشندے جوق در جوق اس مسجد کی زیارت کے لئے آیا کریں گے اور اس خانہ خدا میں عبادت کرتے ہوئے اس عظیم دن کو یاد کریں گے جبکہ اللہ کے ایک عاجز بندے نے بڑی متضرعانہ دعاؤں کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ وہ اس مسجد کے صحن میں آنسو بہاتے ہوئے دُعائیں دیں گے اُن سب مخلصین کو جنہوں نے اسلام کی فتح کے اس پہلے یادگاری نشان یعنی اس خانۂ خدا کی تعمیر میں مال اور جان کی قربانی پیش کی تھی اور حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی اُس

زمانہ میں ہوتے اور ہمارا نام اُن مجاہدین کی صف میں لکھا جاتا جنہوں نے آسٹریلیا میں اسلام کے غلبہ کی داغ بیل ڈالی۔

آخر پر مَیں اس خطاب کو بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی اس پُرشوکت پیشگوئی کے الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ :-

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حُجّت اور بُرہان کی رُو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزّت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے۔ نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی .... ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پُوری نہیں ہوگی کہ عیسٰی کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اَب وہ بڑھے گا اور پھُولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴، ۶۵)

"سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہو گا جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۸)

کیفیّتِ دل

ایک نظم آپ کے فرمان کی روشنی میں حاضر ہے۔ دیکھئے اگر آپ کو پسند آئے۔ شاعر تخلیقی کیفیت میں حقیقت و تصور اور زمین و آسمان کے بین بین رہتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ دوسروں پر اس کلام کا کیا اثر ہوگا۔ اُس وقت تو اُسے صرف اپنے دل کی کیفیت کا شعور و وجدان ہوتا ہے اور بس " والسلام ڈاکٹر فہمیدہ منیر۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ

میرا دل آج اک پیارا انوکھا گیت گاتا ہے
میرے قابو میں کب ہے جھومتا ہے مسکراتا ہے

کبھی بربط کی لَے بن کر کوئی نغمہ سناتا ہے
کبھی مطرب کا ہم آواز ہو کر گنگناتا ہے

کبھی صبح کے دامن پر ستارے ٹانکتا ہے دل
کبھی راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر چراغِ حق جلاتا ہے

یہ حق کی جوت مولا نے جو اک دل میں جلائی ہے
دیئے سے اک دیا آگے ہی آگے جلتا جاتا ہے

خداوندا ترے احسان کا یہ کیسا پرتو ہے
تو اپنے پیار کا کس طور سے جلوہ دکھاتا ہے

"خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے"
کہ پرچم سب جہاں میں نورِ حق کا لہلہاتا ہے

نگاہ پُرعزم دل میں درد ہاتھوں میں لئے پرچم
پیامِ حق سنانے کو خدا کا شیر جاتا ہے

خدا حافظ خدا ناصر خدا ہر آن حامی ہو
صبا رفتار سا اک قافلہ سالار جاتا ہے

خوشا جو لوگ تیرے ہمقدم اور ہمسفر ٹھہرے
میرا دل آنسوؤں کی نذر لے کر پیچھے آتا ہے

تجھے اے کنگروں کے دلیش مژدہ ہو کہ اک مومن
پئے تعمیر مسجد تیری جانب دوڑا آتا ہے

خدا کا گھر بنانے کو یہ کچھ معمار حاضر ہیں
خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کو آگے بڑھاتا ہے

مسیحِ وقت سے اللہ کا وعدہ ہوا پورا
زمیں کے سب کناروں تک ترا پیغام جاتا ہے

میرا دل پھر ترے احسان کا مرہونِ منت ہے
کہ پھر نمرود اور فرعون کا دل تھرتھراتا ہے

الٰہی دل کی یہ لو پھر چراغِ طور ہو جائے
الٰہی پھر ہر اک دل جذب سے معمور ہو جائے

الٰہی جذب و ایماں ان کا سب منظور ہو جائے ؏ الٰہی یہ تیرا طاہر تیرا منصور ہو جائے
خدایا اپنے فضل و رحم کی ان پر نظر کر دے ؏ زباں کو بخش وہ تاثیر جو دل پر اثر کر دے
خدایا غلبۂ اسلام کے ساماں مہیّا کر ؏ خدایا کامیاب و کامراں تُو یہ سفر کر دے
خدایا پھر انہیں کردار کے غازی مہیّا کر ؏ خدایا پھر عطا ان کو کوئی شیریں ثمر کر دے

مَیں آپ کے ساتھ ہوں

محترم شیخ ناصر احمد صاحب شہید اوکاڑہ کی زندگی کا ایک درخشاں واقعہ

۱۹۵۳ء میں جب کہ شیخ ناصر احمد کی عمر تقریباً گیارہ سال تھی مخالفین کا ایک بہت بڑا جلوس اُن کے دروازے کے باہر آ کھڑا ہوا۔ جلوس زور و شور سے یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ آج یا تو ہم ان کو قتل کر دیں گے یا ان کو احمدیت چھوڑنی پڑے گی۔ گھر میں بڑے لوگ یہ باتیں کرنے لگے کہ اب کیا کِیا جائے۔ جان بچانی فرض ہے اس لئے عارضی طور پر ان کے ساتھ چل کر احمدیت سے لاتعلقی ظاہر کر دیں۔ یہ باتیں سُن کر شیخ ناصر احمد صاحب نے اُن سے کہا کہ بس اتنی ہی بات تھی۔ آپ تو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حضور (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے ساتھ ہیں۔ لیکن مَیں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ مَیں اس معاملہ میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں۔ اتنے میں شیخ ناصر احمد صاحب نے اپنی قلم دوات سنبھالی کی خدمت میں خط لکھنا شروع کر دیا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"حضور السلام علیکم! ہمارے گھر کے باہر جلوس آ گیا ہے اور میرے والدین اور دوسرے لوگ خوفزدہ ہو گئے ہیں اور عارضی طور پر اُن کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے ہیں۔ لیکن مَیں آپ کے ساتھ ہوں۔"

اور یہ لکھ ہی رہے تھے کہ آپ کی والدہ آ گئیں۔ انہوں نے وہ خط تمام لوگوں کو دکھایا جس سے سب کے حوصلے بلند ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل کیا کہ جلوس وہاں سے چلا گیا۔

یہ واقعہ محترم ناصر صاحب کی والدہ نے خاکسار کو سنایا ہے۔

داعی الی اللہ کے تقاضے

(محترم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

بعثتِ انبیاء کے اغراض و مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ دُنیا کو راہِ راست اور حق بات کی طرف ہدایت دی جائے۔ کیونکہ لوگ صحیح راستہ سے ہٹ کر عدل و انصاف سے دُور ہونے لگتے ہیں، اور دُنیا اُن کی نظروں میں رچ بس جاتی ہے۔

راہِ مولا کی طرف جب بھی نبیوں نے لوگوں کو پکارا اور تبلیغ کی تو وہ ناراض ہوئے اور قسم قسم کے الزامات لگائے اور طرح طرح سے دُکھ اور تکالیف دینی شروع کر دیں۔ مگر داعیانِ الی اللہ کے نیک و پاک گروہ کا ایک بھی فرد نہ کبھی گھبرایا، نہ پریشان ہوا بلکہ دُعاؤں اور صبر کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ ان مصائب کا مقابلہ کیا۔ اور ثابت قدمی کے ساتھ پیغامِ حق کی اشاعت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف نے بھی اس سُنّتِ انبیاء کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ فرماتا ہے "تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کہ حق بات کی تلقین و نصیحت کو ہمیشہ جاری رکھو مگر یاد رکھو کہ حق اور عدل کی بات کہنے کے نتیجہ میں تمہاری مخالفت بھی ہو گی اور ظاہری لحاظ سے بھی کئی قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لئے ساتھ ہی یہ بھی تلقین فرما دی کہ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اس وقت صبر جمیل کا مظاہرہ بہت ضروری ہوگا۔

مَیں اپنے نوجوان عزیزوں کو یاد دلاتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف، جب آپ پر ناقابل برداشت مظالم ڈھائے گئے اور طائف کی سرزمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ خون سے رنگی گئی تو عرش کے مالک نے فرشتہ بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ان کو ہلاک کیا جائے مگر آپ نے اس وقت یہی عرض کیا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔ اے خدا تو میری قوم کو ہدایت دے۔ آج یہ حقیقتِ حال سے واقف نہیں اس لئے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ آپ نے نہ بد دُعا کی اور نہ غم و افسوس۔ بلکہ صبر کا مظاہرہ کیا۔ داعی الی اللہ کا صبر جمیل بھی دشمن کو مایوس کر دیتا ہے اور وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی وقتی جوش کے ماتحت مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی معیّن مقصد نہیں ہوتا۔ حضرت اقدسؑ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں ان لوگوں کو ٭ رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اے احمدیّت کے پروانو! یہ زمانہ ہے رحم کو جوش میں لانے کا۔ دل کو پاک صاف رکھ کر دعوۃ الی اللہ کو جاری رکھو۔ یہ طوفان اور یہ آندھی وقتی ہے۔ آدم سے لیکر آج تک یہ طریق جاری ہے۔ اس صورت حال میں ہم صرف اور صرف خدائے ذوالجلال کے آستانہ پر جُھکیں گے۔ سہارا وہی ہے اور وہ بہت عظیم سہارا ہے۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم اس کے پیار کو حاصل کریں۔ اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور نتائج کے لئے اس کے حضور دُعائیں کرتے رہیں۔ وہ وسیع خزانہ کا مالک ہے۔ صاف دل اور محنت کرنے والوں کو وہ کبھی خالی واپس نہیں لوٹاتا، یہی طریق اختیار کرنے کے لئے مَیں خدام الاحمدیہ سے دردمندانہ اپیل کروں گا۔ ؎

ہر مصیبت سے بچا اے مرے آقا ہر دم ٭ حکم تیرا ہے زمیں تیری ہے دوراں تیرا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پیغام

مجلس خدام الاحمدیہ ناروے کے نام!

میرے عزیز خدام احمدیت!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ مجلس خدام الاحمدیہ ناروے ۶، ۷ راگست کو اوسلو میں اپنا تیسرا سالانہ اجتماع منعقد کر رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اس اجتماع کو بہت بابرکت کرے اور آپ سب خدام کو توفیق عطا فرماوے کہ آپ اس اجتماع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے والے ہوں۔ آمین

اجتماع کے اس بابرکت موقعہ پر میں ناروے میں بسنے والے تمام خدام کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آپ اس مہدی علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کے افراد ہیں جس کے بارے میں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"مہدی میرا بیٹا ہے۔ اس کا نام میرا نام ہے اور اس کی کنیت میری کنیت ہے۔ وہ صورت اور سیرت کے لحاظ سے سب انسانوں سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے۔"

مَیں آپ کو یاددہانی کرانا چاہتا ہوں کہ آپ اس مہدی علیہ السلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں جس نے تمام اقوامِ عالم کو خدائے واحد و یگانہ کی طرف بلانا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنا تھا۔ جس نے تمام دُنیا میں اور تمام ادیان پر دینِ اسلام کو غالب کرنا تھا۔ جس نے نسلِ انسانی کو شرک سے نجات دلا کر خدائے واحد کی توحید پر قائم کرنا تھا۔ جس نے دُنیا کے لوگوں کو مخلوق پرستی، بُت پرستی اور اوہام پرستی کے پھندوں سے رہائی دلا کر انہیں حقیقی معنوں میں آزادی دلانا تھی

مَیں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ اس مہدی علیہ السلام سے غلامی کی نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں جو فرماتا ہے :-

"بذریعہ وحی الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اُمت کے لیے ابتداء سے موعود تھا

اور وہ آخری مہدی جو تنزلِ اسلام کے وقت اور گمراہی پھیلنے کے زمانہ میں براہِ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور آسمانی مائدہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیرِ الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں"

آپ اس مہدی علیہ السلام کے مقدس درخت وجود کی شاخیں ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ :-

"اس نے مجھے پیدا کر کے ہر ایک گزشتہ نبی سے مجھے اُس نے تشبیہ دی کہ وہی میرا نام رکھ دیا۔ چنانچہ آدم۔ ابراہیم۔ نوح۔ موسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان۔ یوسف۔ یحییٰ۔ عیسیٰ وغیرہ تمام نام براہین احمدیہ میں میرے رکھے گئے۔ اور اس صورت میں گویا تمام انبیاء گزشتہ اس اُمت میں دوبارہ پیدا ہو گئے"

آپ اُس مہدی علیہ السلام کی غلامی کا دم بھرتے ہیں جو اپنے ماننے والوں کو خوشی اور مسرت کی یہ نوید دیتا ہے کہ "صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا"

پس مہدی علیہ السلام کے غلاموں کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نفوس کا جائزہ لیں اور محاسبہ کریں کہ کیا ہم حقیقی معنوں میں ایسے عظیم المرتبت آقا کے پیروکار کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیا ہم اس بات کے حقدار ہیں کہ ہم پوری صفائی دل اور شرح صدر کے ساتھ خود کو آپ کی طرف منسوب کر سکیں۔ کیا ہم نے اپنی زندگیوں میں وہ پاک اور نیک تبدیلی پیدا کر لی ہے جو ہمیں محمدی فوجوں کے سپہ سالار کی فوج کا سپاہی ثابت کرتی ہو۔

یہ سب باتیں ہمارے سوچنے کی ہیں اور یہ سب امور ہمارے غور کرنے کے ہیں۔ مہدی علیہ السلام سے نسبت کا دعویٰ کرنا اپنی ذات میں کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک خود ہمارے نفوس یہ گواہی نہ دیں کہ ہم نے حقیقی معنوں میں اس کی غلامی کا جُوا اپنی گردن پر رکھ لیا ہے۔ جب تک ہمارے اعمال، ہماری ہر حرکت اور سکون اس بات کی شہادت نہ دے کہ ہم نے ایک پاک اور نیک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی ہے۔ جب تک ہمارا ہر قول اور ہر فعل یہ ثابت نہ کرے کہ ہم نے حقیقت میں دین کو دُنیا پر مقدم کر لیا ہے۔ جب تک ہم یہ نہیں کر لیتے ہمارا دعویٰ صرف زبانی دعویٰ ہی رہے گا۔

پس اس موقعہ پر میں آپ کو یہی کہنا چاہتا ہوں کہ مہدی علیہ السلام کی عظمت اور رفعت کی صحیح پہچان کریں اور آپ کے عظیم الشان مرتبہ اور ارفع و اعلیٰ مقام کی حقیقی شناخت کریں اور پھر اپنے نفوس کا جائزہ لیں کہ کیا آپ اس بات کے حقدار ہیں کہ آپ کو اُن کا جان نثار کہا جا سکے۔

خدا کرے کہ آپ ان باتوں پر غور کرنے والے ہوں اور اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کو پوری طرح سمجھنے والے اور انہیں کما حقہ، ادا کرنے والے ہوں۔

مَیں آپ سب سے بہت محبت کرتا ہوں اور میری ہمیشہ یہ دعا رہی ہے کہ آپ میں سے ہر ایک حقیقی معنوں میں مسیح و مہدی علیہ السلام کا سچا پیروکار بن کر اُن فضلوں اور رحمتوں کا وارث ہو جو خدائے رحمٰن و رحیم نے آپ کے ماننے والوں کے لیے مقدر کر رکھے ہیں۔ یہی میری خواہش ہے اور یہی میری تمنّا۔ مَیں آپ سے انقلابی کام کی توقع رکھتا ہوں۔ مسیح کے حواری کہلائیں یا کوشش کر کے پامال کر ہو گی۔ لیکن ایک ولولہ عشق کے ساتھ جس ملک میں آپ جائیں وہاں ایک رُوحانی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں۔

والسلام
مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع

3242
1/8/83

- اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیارے مہدی کی پیاری باتیں سننے کے ایام۔
- پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ کی پیاری باتیں سننے کے ایام۔
- بزرگانِ سلسلہ کے ارشادات سے دلوں کو گرمانے کے ایام۔
- نئی زندگی سے ہمکنار کرنے والے اصلاحِ نفس کے ایام۔
- باہمی صلاح و مشورہ اور باہمی رابطہ سے باہمی تعلقات کو بڑھانے کے ایام
- علمی اور ورزشی مقابلہ جات۔
- خود ساختہ خیموں میں رہائش رکھ کر سادہ زندگی گزارنے کے ایام۔

اجتماع
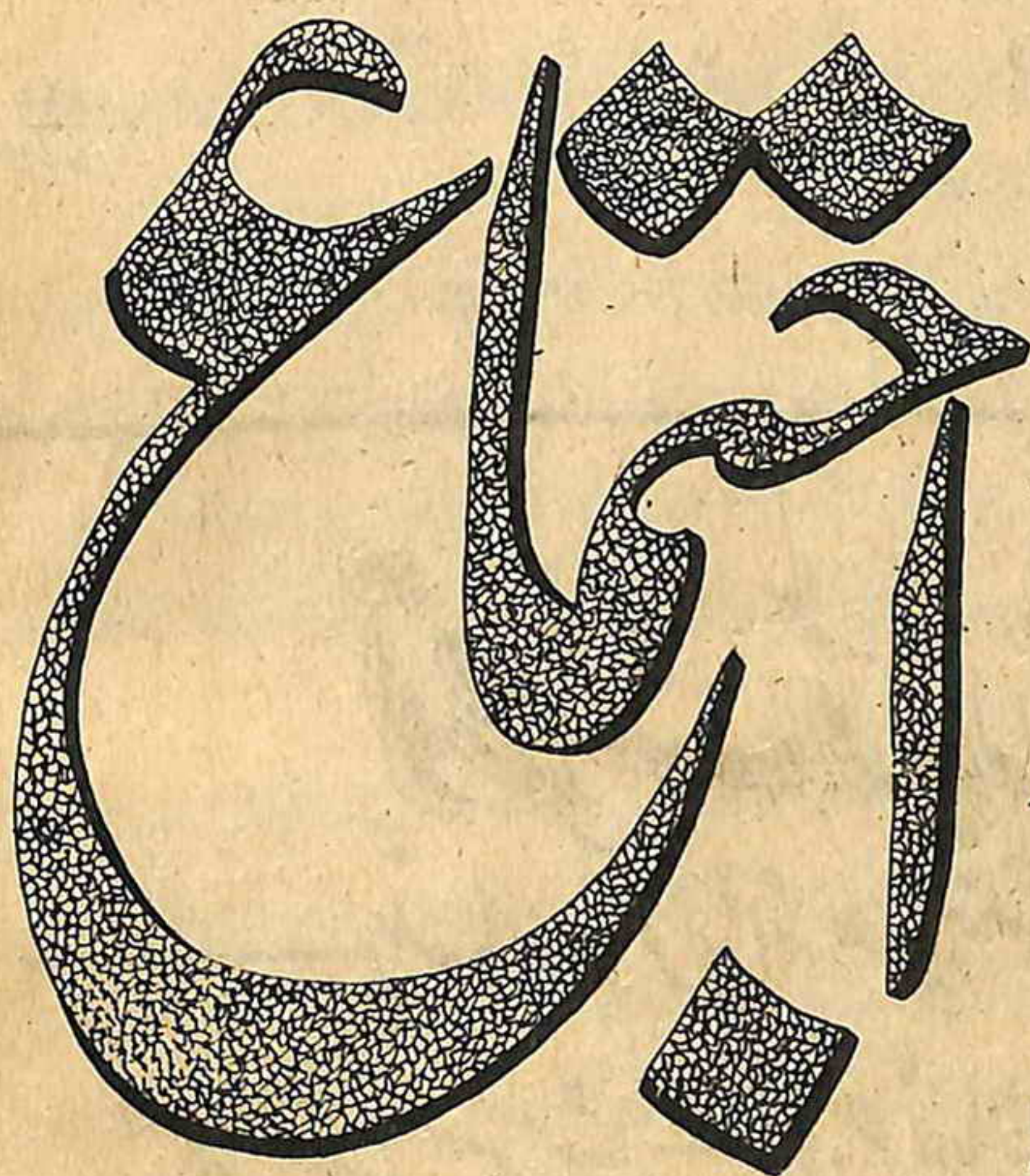
مجلس خدام الاحمدیہ

مرکزیہ

کا سالانہ

۲۱-۲۲-۲۳ اکتوبر

سنہ ۱۹۸۳ء

قریب سے قریب تر آرہا ہے!

خدام و اطفال بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ وہ ذوق و شوق سے تشریف لا کر ان ایام سے استفادہ کریں۔ نیز ان ایام کے بابرکت ہونے کے لئے اللہ کے حضور دعائیں کریں۔

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

یادِ آقا

جناب خادم احمدی۔ کراچی)

آج پھر یاد آگیا وہ پیکرِ حُسن و جمال
جس نے لفظِ پیار کو بخشا مقامِ بے مثال

نفرتوں سے اس کو نفرت تھی سراسر پیار تھا
مسکرانا اس کا شیوہ اور تھا شیریں مقال

جانِ محفل تھا ہر اک وقت اُسی کے دم سے تھی
اس کے پروانوں کا اس سے دُور رہنا تھا محال

خوش و خرم لوٹتا تھا اُس سے مل کر ہر وہ شخص
جو پریشاں حال لاتا تھا کوئی اپنا سوال

احمدیت سے کرایا بہرہ ور ہر سمت کو
مشرق و مغرب ہیں نازاں اور جنوب و شمال

ایک مقصد تھا کہ توحیدِ خدا پھر عام ہو
احمدی چرچا اَحَد کا کردے مانندِ بلالؓ

دے گئی ہم کو سبق یہ اُسکی پاکیزہ حیات
لب پہ رقصِ مسکراہٹ کا کبھی نہ ہو زوال

اِنَّا لِلّٰہ کی حقیقت خوب ہے ہم پر عیاں
پھر بھی اُس کے ہجر کا ہم کو رہیگا اِک ملال

ناصرِ دیں کا یہ خادم تھا اِک ادنیٰ سا غلام
مَیں تو اس عزت کو سمجھا زندگی کا ہر کمال

هُوَ النَّاصِرُ
اعلیٰ معیار کے زیورات خریدنے اور بنوانے کیلئے
الکریم جیولرز
فون ۶۸۵۵۱۱
بازارِ فیصل کریم آباد (چورنگی) کراچی
پروپرائٹر: میاں عبداللطیف شاہ کوٹی اینڈ سنز

دورۂ مشرقِ بعید

ملائک ہیں جلو میں اب تو جو کچھ بھی ہو وہ کم ہے

جزائر کی فضا میں آمدِ طاہر کا چرچا ہے
خوشا اُن کے اُفق پر بھی مہِ تاباں اُبھرتا ہے
نویدِ وصل سے سرشار ہونٹوں پر دُعائیں ہیں
زمیں پر حمد کے نغمے، فلک پر جشن برپا ہے

بہاریں خود اُتر آئی ہیں، پت جھڑ کا کسے غم ہے
ملائک ہیں جلو میں، اب تو جو کچھ بھی ہو وہ کم ہے
نگہ اٹھلا کے اُٹھتی ہے دلوں پر وجد طاری ہے
مسیحا خود چلے آئے ہیں کیسا خوب سنگم ہے

نئی تاریخ لکھی جائے گی دستِ مطہّر سے
حدیثِ دلبراں کا اک نیا اظہار اب ہوگا
لبِ عشّاق پر ہو گی صدا تجدیدِ الفت کی
نئے وعدے، نئی قسمیں، نیا اقرار اب ہوگا

جزائر کا جہاں تازہ نیا ک لہر سے ہوگا
کہ استقبال آقا کا سلامِ بحر سے ہوگا

(جلیل الرحمٰن جمیل - ربوہ)

آسٹریلیا

مرتبہ :- مکرم ملک محمد اکرم صاحب ایم اے
سابق مبلغ مغربی افریقہ

آج سے اڑھائی تین صدیاں پہلے جنت کا یہ ٹکڑا انسانی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ اس چھپے ہوئے گوشۂ عالم کا علم اسوقت ہوا جب کولمبس نے "زمین گول ہے" کی تھیوری کا عملی ثبوت دینے کے لئے بحرِ اوقیانوس میں جہاز ڈالا۔ بعدازاں کولمبس کے جانشینوں نے اس مہم کو آگے بڑھایا تو آسٹریلیا کی سرسبز وادیاں بھی انکی نگاہوں کے سامنے آگئیں لیکن روئے زمین کے اس علاقے کے تمام گوشوں کو دریافت کرنے میں کم و بیش ۱۵۰ سال صرف ہوئے اس علاقہ کا نام آسٹریلیا پہلی بار ۱۸۰۴ء میں رکھا گیا۔ لیکن سرکاری طور پر اس نام کو ۱۸۱۷ء میں تسلیم کیا گیا۔

آسٹریلیا ایک خوبصورت اور قابلِ دید ملک ہے۔ شائد دنیا کا کوئی علاقہ اپنے زرعی و معدنی ذخائر کے اعتبار سے اتنی فراوانی دولت کا مالک نہیں جتنا آسٹریلیا ہے۔ قدرت کی حسین صناعی اور خوشگوار معتدل آب و ہوا نے اس کو بہت پُرکشش بنادیا ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کے اُبلنے کا بھی کوئی خطرہ نہیں کہ وہ اپنا جوش دکھا کر ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ زمین کا چپہ چپہ قدرت کے خزینوں سے مالا مال ہے۔ پہاڑی اور جنگلی علاقوں میں ایسے درخت قطار در قطار کھڑے ہیں جو پرانی دنیا میں کوشش کے باوجود نہیں اگائے جا سکے۔ میدانی علاقوں میں نرم گھاس کا مخملیں فرش ہوا میں لہراتا رہتا ہے اور دنیا کی بہترین چراگاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں ہر وقت ایک خوشبو سی مہکتی رہتی ہے پھولدار درختوں کی اتنی کثرت ہے اور انکی خوشبو میں اتنا باریک فرق ہے کہ اب ان خوشبوؤں کی ۴۷۰ قسمیں متعین کی جا چکی ہیں لیکن رنگ و روپ اور وضع قطع کے لحاظ سے انکی شکلیں ۹۰۰۰ سے بھی زیادہ ہیں۔

گوند پیدا کرنے والے درخت آسٹریلیا کے خاص درختوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے درختوں کی تعداد بھی یہاں بہت ہے جن کے پھول شہد سے لبریز ہوتے ہیں۔

جانوروں کے لحاظ سے آسٹریلیا بہت بڑا قدرتی چڑیا گھر ہے۔ جہاں وہ قدیم ترین چرند و پرند آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں جو دنیا کے دوسرے حصوں سے معدوم ہو چکے ہیں۔ مثلاً چیونٹیاں کھانے والا جانور جو سر سے لے کر دم تک ۲۰" لمبا ہوتا ہے چوہے کی طرح زمین کھودنے میں کمال رکھتا ہے اور چیونٹیوں کو اس طرح چُگ جاتا ہے جیسے مرغیاں غلے کے دانوں کو۔

اسی طرح اُڑنے والی گلہری بھی یہاں پائی جاتی ہے جو اگرچہ پر نہیں رکھتی۔ چھوٹی چڑیوں کی اتنی کثرت ہے کہ صبح و شام جنگلوں اور وادیوں کی جھاڑیوں سے قسم قسم کے نغمے پھوٹتے رہتے ہیں۔

محل وقوع آسٹریلیا ایشیا کے جنوب مشرقی سمت بحر الکاہل اور بحر ہند کے درمیان واقع ہے۔ یہ چھوٹا سا براعظم چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ شمال کی طرف NEW GUINEA جنوب مشرق کی طرف نیوزی لینڈ اور شمال مشرقی طرف انڈونیشیا واقع ہے۔ بہ شمول جزیرہ تسمانیہ۔ آسٹریلیا کا کل رقبہ ۲۹،۷۰،۰۸۱ مربع میل ہے اسمیں پانچ ریاستیں ہیں۔ نیو ساؤتھ ویلیز۔ وکٹوریہ، کوئینز لینڈ اور ویسٹرن آسٹریلیا۔

آب و ہوا آسٹریلیا کا مجموعی موسم خشک اور قدرے گرم ہے۔ سردی زیادہ نہیں پڑتی۔ ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چلتی رہتی ہے سوائے ان ساحلوں کے جہاں سمندری طوفان آتے رہتے ہیں۔ چند علاقوں کے علاوہ بارش خوب برستی ہے ملک کا ۴۰٪ حصہ صحرائی ہے اور ۴۰٪ نمی ہے جبکہ ۲۰٪ سے زیادہ علاقہ زوردار بارشوں کی زد میں رہتا ہے خشک سالی اور سیلاب دونوں کا ہی یہ براعظم وقتاً فوقتاً شکار رہتا ہے۔

آبادی ۱۹۷۸ء کی مردم شماری کے مطابق آسٹریلیا کی کل آبادی ۱،۴۲،۵۰،۰۰۰ (ایک کروڑ بیالیس لاکھ پچاس ہزار) نفوس پر مشتمل ہے

آسٹریلیا کی دریافت کی تاریخ

سب سے پہلے تیرہویں صدی کے آغاز میں یہ براعظم دیکھا گیا تھا۔ جب ولندیزی، پرتگالی اور سپینش جہاز رانوں اور کولمبس کے جانشینوں نے اس خشکی کو دیکھا۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک سوئس ملازم نے کمپنی کو توجہ دلائی تھی کہ اس براعظم میں نوآبادیاں قائم کرنی چاہئیں۔ مگر ولندیز (ڈچ) ان دنوں تجارتی استعمار کی طرف زیادہ مائل تھے اس لئے اس علاقہ میں قبضہ جمانے کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ اس طرح مندرجہ بالا تینوں ممالک نے اس طرف التفات نہ کیا۔

پھر ۱۷۷۰ء میں ایک انگریز جہازران جیمز کک نے آسٹریلیا کے ساحلوں کو کھنگالا اور اس علاقہ کی وسعت کا اندازہ لگا کر برطانیہ کے نام سے اس پر قبضہ جما لینے کا اعلان کر دیا اور انیسویں صدی کے آغاز میں اسمیں نوآبادیات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ابتدا میں یہ علاقہ نیو ہالینڈ، نیو ساؤتھ ویلز (NEW SOUTH WALES' NEW HOLLAND) باٹنی بے (BOTANY BAY) کے ناموں سے معروف ہو گیا۔ سب سے پہلے انگریزوں نے اپنی نوآبادی جیکسن کی بندرگاہ (PORT JACKSON) جو اب سڈنی کہلاتا ہے پر قائم کی اس آبادی میں فوری اضافہ یوں کر دیا گیا کہ برطانیہ سے مجرموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح جہازوں میں بھر کر ساحل سمندر پر اتار دیا گیا اور یہ سلسلہ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۶۸ء تک جاری رہا جبکہ

دوران ایک لاکھ اکسٹھ ہزار مجرموں کو اس خشکی پر پھینک دیا گیا اس طرح چھ نو آبادیات کا قیام عمل میں آگیا۔ نیو ساؤتھ ویلز ۱۷۸۶ء میں

تسمانیہ ۱۸۲۵ء میں

ویسٹرن آسٹریلیا ۱۸۲۹ء میں

ساؤتھ آسٹریلیا ۱۸۳۴ء میں

وکٹوریہ ۱۸۵۱ء میں

کوئینز لینڈ ۱۸۵۹ء میں

۱۸۵۲ء میں ان سب ریاستوں کو ملا کر فیڈریشن بنادی گئی۔ یہ نو آباد لوگ بھیڑ بکریوں کے پالنے کے علاوہ زراعت میں بھی دلچسپی لینے لگے اور سب سے پہلے گندم کی فصل اگائی اور یہی ابتداء میں دو بڑے ذرائع آمد تھے سونے کی کانیں ملنے پر وہاں کان کنی کا کام بھی شروع ہوگیا۔ جنت کا یہ ٹکڑا جو معدنیات کی دولت سے مالامال تھا کئی اقوام کی نظروں کی آماجگاہ بن گیا اور اس کی آبادی جو ۱۸۲۰ء میں صرف چونتیس ہزار تھی تیس سال کے عرصہ میں یعنی ۱۸۵۰ء میں چار لاکھ ۵ ہزار (۴،۰۵،۰۰۰) تک پہنچ گئی۔ پھر وکٹوریہ میں جب ۱۸۵۱ء میں سونے کی دریافت ہوئی تو اس کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۱،۵۸۰ غیر یورپین لوگ بستے ہیں۔ ان انگریزوں اور آباد کاروں کی آمد سے قبل مقامی باشندوں کی تعداد ڈیڑھ اور تین لاکھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے مگر ان آدم زادوں کو ان کے اپنے ہی ملک میں ۱۹۶۳ء میں آسٹریلیا کی قومیت نصیب ہو سکی آسٹریلیا کے قدیم باشندے آہستہ آہستہ محو ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

آسٹریلیا کے قدیم باشندے

اس جگہ غیر مناسب نہ ہوگا اگر آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کے بارہ میں چند سطور رقم کردی جائیں۔ جب انگریز مجرم اور آبادکار آسٹریلیا میں لائے گئے اس وقت وہاں کے قدیم باشندے پتھر کے زمانہ کے لوگوں کی ابتدائی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے سر کے بال گھنگریالے داڑھیاں گھنی رنگ سیاہ بھورا کھال پتلی، ناک کی جڑ اندر کو دھنسی ہوئی نتھنے چوڑے ماتھے پیچھے کو پٹے ہوئے اور کھوپڑی پست اور تنگ تھی یہ لوگ محض شکار پر بسر اوقات کرتے تھے مرد شکار کھیلتے اور عورتیں جنگل سے جڑی بوٹیاں اکٹھی کرتیں۔ عام طور پر کچی یا اُبلی ہوئی غذا کھاتے تھے درختوں کی چھال یا گھاس پھوس سے بنائے ہوئے جھونپڑوں میں رہتے۔ ان کے اوزار لکڑی اور پتھر کے تھے نیزہ پھینکنے کی کمان اور بومرینگ کا استعمال بھی جانتے تھے درخت کے تنے کو چھید کر کشتیاں بناتے تھے۔ تیر کمان برتن اور کپڑوں سے ناواقف تھے۔ کھال کے کپڑے پہنتے یا ننگے رہتے تھے۔ رسیوں کا تھیلا بنانا ان کی بڑی سے بڑی صنعت تھی یہ لوگ بھوت پریتوں روحوں کو مانتے اور پتھروں اور بعض دوسری چیزوں کو پوجتے تھے

جنہیں وہ بہت چھپا کر رکھتے تھے ان پر خون چھڑکنا انکی خاص رسم تھی۔ سال میں مہینہ بھر مذہبی رسمیں ادا کرتے تھے اور خوب ناچتے تھے مردوں پر خون چھڑک کر دفن کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک خاص رسم بچے کے بالغ ہونے پر ادا کی جاتی تھی۔ قبیلے کے بزرگ بالغ ہونے والے جوان مرد یا عورت کو کئی کئی دن خاموش رکھتے اور اسکو فاقے کرواتے اُسے رنگتے، باندھتے، کاٹتے اور اس کے بدن سے خون نکالتے اور جسم پر داغ دیتے پھر اس کے کان میں راز کی بات کہہ دیتے اور وہ اسوقت سے بڑوں میں شمار ہونے لگتا۔

مرض الموت کو جادو کا اثر سمجھتے تھے اور جادوگروں سے جنہیں وہ روحیں یا بھوت سمجھتے تھے لڑنے کیلئے انکی ٹولیاں جنگلوں میں جایا کرتی تھیں۔ یہ لوگ جنگ و جدال سے متنفر تھے اور آپس میں امن و آشتی کی زندگی بسر کرتے تھے
(تاریخ اقوام عالم صد ۵۳۴-۵۳۵)

نظامِ حکومت: اگرچہ ملکہ برطانیہ ہی آسٹریلیا کی بھی ملکہ ہے تاہم آسٹریلیا مکمل طور پر آزاد مملکت ہے۔ سوائے اس کے کہ ملکہ بذاتِ خود کسی تقریب کے سلسلہ میں آسٹریلیا میں وارد ہو گورنر جنرل کو مکمل اختیارات ہیں جو مرکزی دارالحکومت کینبرا (CANBERRA) میں مقیم ہے۔

آسٹریلیا میں حقیقی پارلیمانی نظام رائج ہے۔ سینیٹ اور مرکزی اسمبلی کے نمائندگان کا انتخاب ووٹوں کے ذریعہ ہوتا ہے اور اکیس سال کی عمر کے ہر شخص کو رائے دہی کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح جملہ ریاستوں میں بھی انتخاب ہوتا ہے ہر ریاست سے دس نمائندگان یعنی کل ساٹھ نمائندے سینیٹ کے لئے چُنے جاتے ہیں مرکزی اور ریاستی انتخابات میں ووٹ ڈالنا لازمی ہے۔

وفاقی حکومت بلاواسطہ ریاستوں کی عنان سنبھالے ہوئے ہے۔ سیاسی پارٹیوں میں ایک لیبر پارٹی ہے اور ایک اسکی مخالف چند پارٹیوں کی متحدہ جماعت۔

لیبر پارٹی مغربی جمہوری نظام کی علمبردار ہے جسکو ٹریڈ یونینوں کی حمایت حاصل ہے اور سوشلسٹ قسم کے خیال رکھتی ہے جبکہ دوسری پارٹی کو سرمایہ داروں کی حمایت حاصل ہے اس کے علاوہ کسانوں اور دیہاتیوں کی حمایت حاصل ہے۔

ذرائع آمدنی: قدرت نے آسٹریلیا کو ہر قسم کی معدنیات سے خوب نوازا ہے۔ مثلاً سونا، چاندی، تانبہ زنک، کوئلہ، لوہا، تیل، قدرتی گیس وغیرہ متعدد دھاتوں کی کانیں یہاں موجود ہیں۔ لوہا اور باکسائیڈ کی دھاتیں دنیا کے سب ملکوں سے زیادہ یہاں پائی جاتی ہیں۔

بھیڑ بکریاں پالنا یہاں کا خاص پیشہ ہے ایک سروے رپورٹ کے مطابق اس وقت آسٹریلیا

میں تیرہ کروڑ بھیڑیں پائی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ اون کی پیداوار آسٹریلیا میں ہے

اسی طرح بیل اور گائیں بھی بکثرت پالی جا رہی ہیں علاوہ ازیں گندم کا نشاستہ۔ گھی مکھن گوشت چینی اور پھلوں کی پیداوار بھی نمایاں ہے اور اس کا ۹۵٪ برآمد کیا جاتا ہے۔

زراعت کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے اور اسکی پیداوار کا بھی بیشتر حصہ برآمد کیا جاتا ہے

ذرائع آمدورفت: آسٹریلیا کا رقبہ وسیع مگر آبادی بہت محدود ہے جس کی وجہ سے فاصلے لمبے ہونے کی بناء پر ذرائع آمدورفت خاصے مہنگے ہیں تاہم یہاں مندرجہ ذیل ذرائع سفر موجود ہیں۔

۱۔ بسیں بکثرت پائی جاتی ہیں اور سڑکوں کی تعمیر کی طرف حکومت نے خاص توجہ کر رکھی ہے

۲۔ ریلوے لائینیں بھی بچھا دی گئی ہیں اور مسافروں کی ایک بھاری تعداد اس کے ذریعہ سفر کرتی ہے۔

۳۔ بحری ذرائع نقل و حمل بھی موجود ہیں اور آسٹریلیا میں اس وقت ۶۶ بندرگاہیں موجود ہیں

۴۔ قانتاس ایئرویز لیمیٹڈ کے نام سے ایک ہوائی کمپنی بھی ہے۔

مذاہب: آئینی طور پر آسٹریلیا کا کوئی سرکاری مذہب نہیں کسی بھی مذہب پر آزادی سے عمل کیا جا سکتا ہے اور سرکاری دفاتر میں کام کرنے کیلئے کسی مذہب کی کوئی قید نہیں اکثریت پروٹسٹنٹ کی ہے۔ BAPTIST 33% ہیں۔ ایک اعشاریہ پانچ فیصد LUTHERAN اور ایک فیصد یہودی۔

بفضل تعالیٰ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء کو جماعت احمدیہ آسٹریلیا کو اسلام کیلئے از سر نو روحانی طور پر دریافت کر رہی ہے جبکہ ہمارے پیارے اولوالعزم امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز وہاں پہلی احمدیہ مسلم مسجد کا سنگِ بنیاد رکھ رہے ہیں۔ اس ملک میں مکمل مذہبی آزادی ہے اور ہر شخص کو اپنے عقیدہ کی تبلیغ کی اجازت ہے۔

سزا یافتہ مجرم: ایک نکتہ جو غور طلب ہے وہ سزا یافتہ مجرموں کا ہے پہلا ریلا جو گیارہ جہازوں پر مشتمل تھا وہ مجرموں اور ان کے رکھوالوں کا تھا۔ انگلستان کو مجرم زدہ ذہنوں سے پاک کرنے کیلئے آسٹریلیا کو چُنا گیا۔ جب مملکت آسٹریلیا قائم ہوئی اس وقت برطانیہ اپنی امریکی کالونیاں آہستہ آہستہ کھو رہا تھا سو اس نے اس کو ان نقصانات کا عوض جانا۔ ایک عرصہ تک اس کالونی کو باٹونی بے BOTANY BAY کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے اور ان الفاظ کی وہی اہمیت تھی جو NEWGATE کی۔ ان دنوں سزا یافتہ افراد کی زیادہ تر تعداد مردوں کی تھی جو فی الواقعہ مجرم تھے۔ زیادہ افراد بڑے ذہین

اور ہمت والے تھے جو کہ کئی نئی تحریکوں کے لیڈر تھے مثلاً ان میں ایک شخص ڈورسٹ گاؤں ٹولپوڈل DORSET VILLAGE OF TOLPUDDLE کے تھے جنہوں نے پہلی زرعی ٹریڈ یونین کی بنیاد رکھی تھی۔

ان سزا یافتہ لوگوں کی نسل آج آسٹریلیا میں صرف ایک فی صد ہے اس ملک میں خود بخود آباد کاروں کی تعداد بڑھتی گئی اور معاشرتی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔

یہ تمام تبدیلیاں اس زمین پر ظلم واستبداد کی چھاؤں میں ہوئیں۔ جو عظیم سبق اس سے حاصل ہوا اور جدید دنیا کیلئے بھی مثال بنی وہ یہ ہے کہ ایک قوم کی ابتدا ظلم اور ستم سے ہوئی اور انتہاء ایک جدید آراستہ و پیراستہ جمہوریت پر۔

(آسٹریلیا از آرنلڈ)

آسٹریلیا میں مظالم کی داستانیں

دنیا میں آسٹریلیا وہ واحد برّاعظم ہے جس میں کبھی کوئی جنگ نہیں ہوئی تاہم اسمیں ظلم وستم کی بے شمار داستانیں پائی جاتی ہیں۔

اس برّاعظم کے دریافت ہونے کے بعد انگلستان کے مجرموں اور ملزموں کو جہازوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھرتی کرکے یہاں پہنچا دیا گیا ان مجرموں کی خوراک دپوشاک کے اسباب بسا اوقات تو بروقت پہنچا دیئے جاتے مگر ان بیچاروں پر ایسے اوقات بھی اکثر آتے رہے کہ کھانے پینے کے سامان سے کلیتہً محروم ہیں اور برطانیہ سے سپلائی منقطع نہ کوئی طبی انتظام تھا اور نہ کوئی رہائش وغیرہ کا۔ ان مجرموں میں سے اور کئی ان میں ملزم بھی تھے اس طرح سسک سسک کر جان دیتے رہے۔

پھر ان مجرموں نے جو مقامی باشندوں پر مظالم ڈھائے انکی داستانیں بھی دردناک ہیں

مرتضیٰ احمد خان اپنی کتاب تاریخ اقوامِ عالم میں لکھتے ہیں

"گورے آباد کاروں نے ان قدیمی باشندوں کو جو مرنجانِ مرنج لوگ تھے اس طرح روند ڈالا جس طرح شدّتِ سرما کے باعث کیچڑ میں جما ہوا پانی پاؤں تلے کچلا جاتا ہے ...."

آسٹریلیا کے جنوب میں دو تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر جزیرہ تسمانیا ہے۔ اس جزیرے کے اصل باشندے انسانی زندگی کے قدیم ترین ابتدائی سنگی دور کی یادگار تھے سیاہ رنگت اور اون جیسے بال رکھتے تھے .... ان لوگوں کو جو حقیقی انسان کی نسل کے آدم زاد تھے انگریز آباد کاروں نے جنگل کے جانور سمجھا کتوں کے ساتھ ان کا شکار کھیلا۔ زہریلا گوشت ان کے آگے ڈال کر انہیں فنا کے گھاٹ اتارا۔ ۱۸۲۶ء میں ان لوگوں کو ملیامیٹ کرنے کیلئے شکاری ٹولیاں منظم کی گئیں۔ گورنر نے انہیں حکم دیا کہ آباد علاقوں سے نکل جاؤ لیکن آباد کاروں نے جنگلوں میں بھی ان کا پیچھا کیا۔ یہ جنگ نہیں تھی

کیونکہ تسمانوی کسی حال میں بھی تین افراد کی جماعت پر حملہ نہیں کرتے تھے آخری مہم میں انگریز آبادکاروں نے سارے جزیرے کو چھان کر دو سو اصلی باشندوں کو بے آباد جزیرے فلینڈر میں جا پھینکا۔ جہاں انگریز حکمرانوں کے لطف و کرم کی بارشوں نے ان کا قصہ تمام کر دیا۔

۱۸۷۶ء میں آخری تسمانوی ۱۹ویں صدی کے ترقی یافتہ انسان کی تہذیب کا ماتم کرتا ہوا اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھار گیا۔

ویسٹرن آسٹریلیا کے ایک بہت بڑے شہر پرتھ (PERTH) کی ایک سروے رپورٹ نیشنل جیوگرافک ماہ مئی ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی ہے اور اس رسالہ کے سینئر ایڈیٹر نے ایک مقامی باشندے کا انٹرویو شائع کیا ہے جس میں انگریزوں کے مظالم کا ذکر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب میں نے حالات کا علم حاصل کرنا چاہا تو مقامی باشندہ مسٹر رابرٹ بروفو نے سخت غصے کے عالم میں کہا کہ

"ہم سے کیسے انگریزوں کی عزت کی توقع کی جا سکتی ہے انہوں نے ہمارے آدمی مارے، زمینیں چھینیں عبادتگاہوں کی بے حرمتی کی ہماری عورتوں کی عزتیں لوٹیں ہمارے بچوں کو برباد کیا غرضیکہ انہوں نے انجیل کے جملہ دس احکام کی دھجیاں اڑا دیں۔ چالیس ہزار سال سے ہم امن و آشتی کی زندگی گذار رہے تھے لیکن چند ہی سالوں میں انگریزوں نے ہمارے ہر سکھ کو تاراج کر دیا۔ ہمارا ایک ہی مطالبہ ہے اپنے لئے اور اپنے بچوں کیلئے — زمین۔"

پھر "LANDS & PEOPLE" میں صفحہ ۶۲۵ پر لکھا ہے

"ایک کمتر حیثیت رکھنے کی وجہ سے اور اوسط درجے سے کم ذہن رکھنے کی وجہ سے آسٹریلیا کے اصل باسیوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی تھی جب تک کہ جدید تہذیب کی کرنیں پوری طرح نمودار نہ ہوئی تھیں ہزاروں باشندوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔ تیس سالوں میں مختلف حادثات اور بیماریوں نے ان کو ایسا گھیرا کہ آج انکی تعداد ۴۰ ہزار سے گھٹ کر بہت کم ہو گئی ہے۔"

آسٹریلیا میں احمدیت:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا خدا فرماتا ہے

کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا
اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخیں
نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو
جائے گا "

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور ہر نیا دن جو طلوع ہوتا ہے اسکی صداقت پر گواہی دیتا ہے۔ وہ بظاہر نحیف آواز جو قادیان جیسی گمنام بستی سے اٹھی تھی اب دنیا کے کونے کونے میں اس کی گونج سنائی دے رہی ہے اور وہ بیج جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے بویا تھا وہ ہر آن بڑھ رہا ہے اور اب ایک ایسا درخت بن چکا ہے جسکی شاخیں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیل رہی ہیں۔

آسٹریلیا کے برّاعظم میں بھی خداوند کریم نے اسکی ایک شاخ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں پھیلا دی تھی۔ مؤرخ احمدیت محترم مولانا دوست محمد صاحب کی تحقیق کے مطابق آسٹریلیا کے ایک بڑے شہر پرتھ سے حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحب نے ستمبر ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں بیعت کا عریضہ ارسال کیا تھا اس وقت حضرت صوفی صاحب پرتھ کے مقام پر مسلم مسجد کے آنریری سیکرٹری تھے آپ تبلیغ کا ایک جوش رکھتے تھے۔ زبانی تبلیغ کے علاوہ خطوط کے ذریعہ بھی پیغامِ حق لوگوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے "بیرس بین" اور "آڈمیئر" کے مقامات پر احمدی جماعتوں کا قیام فرما دیا تھا اور جزیرہ فجی میں احمدیہ لٹریچر پہنچا۔ ۱۹۳۶ء میں انکی وفات ہوئی۔

انکی وفات کے بعد تبلیغ کا کام ایک مخلص احمدی دوست شیر محمد صاحب نے سنبھال لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک وعدوں کے مطابق اس برّاعظم میں بھی احمدیت اپنی ترقی کی منازل طے کر رہی ہے اور اب وقت آگیا تھا کہ یہاں بھی جماعت احمدیہ کا باقاعدہ مشن اور مسجد ہو جس کے لئے ہمارے محبوب امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی مبارک خلافت کے اوائل ہی میں اس طرف خاص توجہ فرمائی اور مقامی جماعت کو مسجد اور مشن ہاؤس کیلئے قطعہ ارض حاصل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں اور مقامی جماعت کی کوششوں کو قبول فرمایا اور ۲۵ ایکڑ زمین جماعت خریدنے کے قابل ہوئی۔

اس برّاعظم کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عظیم پوتے اور خلیفۂ برحق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے مبارک قدموں سے اس کو برکت عطا فرما رہے ہیں۔ اور بنفسِ نفیس

آسٹریلیا میں جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد اور مشن ہاؤس کا سنگِ بنیاد ۳۰ ستمبر کو رکھ رہے ہیں اور عجیب اتفاق ہے کہ آسٹریلیا سے پہلی بیعت کا خط بھی ستمبر ہی کے مہینہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں لکھا گیا تھا۔

ہمیں امید ہے کہ خداوند کریم اس مسجد کو بے شمار لوگوں کی ہدایت کا موجب بنائے گا یہ مشعلِ ہدایت ہوگی اور اس مبارک مسجد سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹیں گے۔ انشاء اللہ

ہماری دعا ہے کہ مولیٰ کریم اس مبارک مسجد کو بہت برکت عطا فرمائے اور وہ ساری دعائیں قبول فرمالے جو ہمارے پیارے امام، ہمارے سید و مولیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس کے سنگِ بنیاد کے موقع پر خداوند کریم کے حضور عرض کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ اسکی تکمیل کے سارے مراحل آسان فرمادے اور یہ خدا تعالیٰ کا مبارک گھر بہتوں کے لئے روشنی کی مشعل ثابت ہو

آمین

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی توفیق سے

سرزمینِ آسٹریلیا میں پہلی مسجد اور مشن ہاؤس کی تقریب سنگِ بنیاد پر

ہم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اور

احبابِ جماعت کی خدمت میں

مبارکباد پیش کرتے ہیں!

میسرز وُڈز مین

فرنیشرز اینڈ ڈیکوریٹرز

فورٹرس سٹیڈیم لاہور چھاؤنی

فون نمبر ۳۷۲۴۹۳

Monthly KHALID RABWAH
Regd. No. L5830
Editor: Mirza Mohammad Din Naz
October 1983

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اوکاڑہ کے ایک مخلص احمدی کو عیدالاضحی کے روز

شہید کر دیا گیا

اوکاڑہ کے ایک مخلص اور فدائی احمدی مکرم شیخ ناصر احمد صاحب کو شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
شہیدِ احمدیت ناصر، محترم شیخ فضل محمد صاحب مالک کریسنٹ کلاتھ ہاؤس اوکاڑہ کے فرزند اکبر تھے اور جماعت کے سیکرٹری امورِ عامہ کے عہدہ پر فائز تھے۔
ظلم و بربریت کا یہ واقعہ عیدالاضحی کے مقدس روز نمازِ عید کے معاً بعد وقوع میں آیا۔ جبکہ محترم شیخ صاحب کسی کام کی غرض سے گھر سے باہر نکلے۔ چند لمحوں بعد محمد اسلم نامی ایک نوجوان نے اچانک حملہ آور ہو کر آپ کے سینہ میں چھرا گھونپ دیا۔ جس سے انتہائی گہرے اور کاری زخم لگے۔ فوراً C.M.H پہنچایا گیا مگر خدا کی تقدیر غالب آئی اور آپ اپنے آسمانی آقا کے دربار میں حاضر ہو گئے۔
اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے اعزہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ٭